شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ
مارچ ۲۰۲۴ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

ماہِ رمضان اور قرآن
چوہدری رحمت اللہ بٹرؒ

مسجدِ اقصیٰ کی تاریخی اہمیت
انجینئر نوید احمدؒ

ختم المرسلین، رحمۃ للعالمین، محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ پر

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

داعیِ رجوع الی القرآن، بانیِ تنظیم اسلامی کی جملہ کتب اب تین ضخیم جلدوں میں

سیرت النبی ﷺ سیریز

کے عنوان سے شائع ہوگئی ہیں!

سیرتُ النّبی ﷺ اور ہماری زندگی
(رسولِ اکرم ﷺ اور ہم)

سیرتُ النّبی ﷺ اور فلسفۂ انقلاب
(منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ)

خطباتِ سیرت النّبی ﷺ
(سیرتِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام)

صفحات: 1100 ❁ معیاری کاغذ ❁ عمدہ طباعت ❁ دیدہ زیب ٹائٹل ❁ مضبوط جلد

مکمل سیٹ عمدہ اور نفیس پیکنگ میں
~~2500~~ روپے کے بجائے صرف 1500 روپے

فری ہوم ڈلیوری کے ساتھ

مکتبہ خدام القرآن
K-36، ماڈل ٹاؤن، لاہور: فون: 3-35869501(042)
maktaba@tanzeem.org واٹس ایپ نمبر: 0301-111-5348

وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَمِیۡثَاقَہُ الَّذِیۡ وَاثَقَکُمۡ بِہٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۫ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد	:	73
شمارہ	:	3
شعبان المعظم		1445ھ
مارچ		2024ء
فی شمارہ	:	50روپے
سالانہ زرتعاون	:	500روپے

مُدیر
حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت:
ایوب بیگ مرزا، خورشید انجم

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

ادارتی معاون:
حافظ محمد زاہد، محمد خلیق

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700، فون: 3-35869501
فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org
ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

رابطہ برائے ادارتی امور: 38939321(042)
publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: ”دارُالاسلام“ ملتان روڈ چوہنگ لاہور
(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 78-35473375(042)

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 5
پاکستان کے تمام عام انتخابات: آنکھوں دیکھا حال
ایوب بیگ مرزا

بیانُ القُرآن — 17
سُورۃُ المُطَفِّفِیۡن
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

شهرِ عظیم — 25
ماہِ رمضان اور قرآن
چوہدری رحمت اللہ بٹرؒ

شهرِ مبارک — 42
روزے کا مقصد اور طبی مسائل
پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق

حکمتِ قرآنی — 50
لقمان حکیم کی وصیتیں (۳)
مقصود الحسن فیضی

فکرونظر — 57
رزق میں کمی بیشی کی حکمتیں
راحیل گوہر صدیقی

ارضِ مُقدّس — 65
مسجدِ اقصیٰ کی تاریخی اہمیت
انجینئر نوید احمدؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

پاکستان کے تمام عام انتخابات

ایک آنکھوں دیکھا حال

پاکستان میں پہلی مرتبہ ملکی سطح پر عام انتخابات کا انعقاد ۱۹۷۰ء میں ہوا۔ اِس سے پہلے چند ایک انتخابات صرف صوبوں کی سطح پر ہوئے تھے۔ پاکستان میں آج تک کوئی ایسے انتخابات نہیں ہوئے جن کے بارے میں قومی سطح پر اجماع ہو گیا ہو کہ یہ شفاف اور منصفانہ تھے‘ تاہم صرف ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ بڑے صاف‘ شفاف اور منصفانہ انتخابات تھے۔ البتہ جن لوگوں نے گہرائی سے اِن انتخابات کو دیکھا اور جانچا‘ وہ کہتے ہیں کہ یہ انتخابات بھی مکمل طور پر صاف‘ شفاف اور منصفانہ نہیں تھے۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ جبکہ پنجاب و سندھ میں پاکستان پیپلز پارٹی نے کچھ ایسی کارروائیاں کی تھیں جن سے ان انتخابات کی شفافیت پر سوال کھڑے ہو گئے تھے۔ درحقیقت اِن انتخابات کا ایک خاص پس منظر تھا۔ جنرل ایوب خان نے قریباً گیارہ سال پاکستان پر مطلق العنانہ حکومت کی۔ پھر اُن کی حکومت کے خلاف ایک عوامی تحریک چلی۔ مغربی پاکستان میں اِس تحریک میں ذوالفقار علی بھٹو کا کلیدی رول تھا جو ۱۹۶۶ء میں ایوب خان کی حکومت سے الگ ہو کر ایک اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے سامنے آئے تھے۔ مشرقی پاکستان کے بنگلہ بندو شیخ مجیب الرحمٰن جو ایوب خان کے دور میں جیل میں تھے‘ وہ بھی زیر عتاب تھے۔ اُنہیں مذکورہ تحریک کے دوران ایوب خان نے رہا کر دیا‘ یا رہا کرنا پڑ گیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن اپنے چھ نکات کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں انتہائی مقبول ہو چکے تھے۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ جہاں ایوب خان کی حکومت کمزور پڑ چکی تھی وہاں شیخ مجیب الرحمٰن مشرقی پاکستان کی اکثریت کے دلوں میں راج کر رہے تھے۔ لہٰذا اُن دِنوں میں بھٹو کا پنجاب اور سندھ میں بڑا دبدبہ تھا جبکہ مشرقی پاکستان میں تو شیخ مجیب الرحمٰن کے سامنے کوئی دَم

نہیں مار سکتا تھا۔ لہٰذا انتظامیہ کا قدرتی جھکاؤ اِن دونوں لیڈروں کی طرف ہی تھا۔ اسی لیے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں ان دونوں کے لیے کچھ نہ کچھ دھاندلی ہوئی‘ لیکن کیونکہ وہ اِن علاقوں میں بہت پاپولر بھی تھے لہٰذا اس کا خاص نوٹس نہ لیا گیا۔ بھٹو پنجاب اور سندھ کے میدان مارنے میں کامیاب ہو گئے اور شیخ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان میں کلین سویپ کر دیا۔ بدقسمتی سے یحییٰ خان کی بدنیتی اور بددیانتی‘ پھر یہ کہ ذوالفقار علی بھٹو کی ہر قیمت پر اقتدار میں آنے کی خواہش کی وجہ سے اقتدار کی پُرامن منتقلی میں رکاوٹ کھڑی ہو گئی۔ بنگالیوں کے محبوب لیڈر شیخ مجیب الرحمٰن کو پھر گرفتار کر لیا گیا اور عسکری قیادت نے عوامی خواہشات کو روندنے اور کچلنے کے لیے ایک زبردست آپریشن شروع کر دیا۔ باقی تاریخ ہے‘ جو قارئین کے علم میں ہے۔ پاکستان کو اپنے پیدائشی اور ازلی دشمن بھارت کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست ہوئی اور تاریخ میں پہلی بار اتنی بڑی مسلمان فوج کو دشمن کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اِس سے پہلے مسلمانوں کو دشمنوں سے اگرچہ شکست کا سامنا تو رہا لیکن کبھی اتنی بڑی مسلمان فوج نے دشمن کے آگے ہتھیار نہیں پھینکے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان دولخت ہو گیا۔

سانحہ سقوطِ مشرقی پاکستان ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو پیش آیا۔ اُس وقت ذوالفقار علی بھٹو پاکستان سے باہر تھے۔ شکست خوردہ جرنیلوں نے اُنہیں پاکستان بلایا اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا۔ دنیا کی معلوم تاریخ میں شاید یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک سویلین کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنا دیا گیا۔ ہماری رائے میں ذوالفقار علی بھٹو کو یہ عہدہ کسی صورت قبول نہیں کرنا چاہیے تھا‘ اِس لیے کہ وہ جمہوریت کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں اُنہوں نے ’’جمہوریت ہماری سیاست‘‘ کا نعرہ لگایا تھا جو بہت مقبول بھی ہوا۔ جمہوریت پسندی کا تقاضا تھا کہ وہ یہ عہدہ قبول کرنے کی بجائے ایک عبوری حکومت قائم کرنے کا مشورہ دیتے جس کی نگرانی میں نئے انتخابات ہوتے۔ اُن حالات میں وہ یقیناً کم از کم مغربی پاکستان کی حد تک بڑی اکثریت سے کامیاب ہوتے اور شاید پورے پاکستان پر جمہوری وزیراعظم بن کر حکومت کرتے۔ جن علاقوں میں بھٹو کو اکثریت حاصل تھی وہ متحدہ پاکستان کا حصہ تھے‘ اُن کی بنیاد پر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن جانا اُن کی اِس ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ ایک ڈکٹیٹر کی حیثیت سے حکومت کرنا چاہتے تھے۔ بہرحال اُنہوں نے ۱۹۷۳ء میں قوم کو ایک متفقہ آئین

دیا جو اُن کا بہت بڑا کارنامہ تھا۔ پانچ سال بعد انتخابات کروانا اُس آئین کا تقاضا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۹۷۷ء میں یہ خیال کرتے ہوئے کہ اُن کے مخالفین منتشر ہیں' غیر متوقع طور پر قبل از وقت انتخابات کا اعلان کر دیا۔ ایسے میں مخالفین نے حیرت انگیز پُھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نو (۹) جماعتوں پر مشتمل ''پاکستان قومی اتحاد'' قائم کر لیا۔ ۷ مارچ ۱۹۷۷ء کو زبردست انتخابی معرکہ ہوا۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے مکمل کامیابی حاصل کی لیکن پاکستان قومی اتحاد (P.N.A) نے دھاندلی کا الزام لگا کر ان نتائج کو سختی سے مسترد کر کے تین دن بعد منعقد ہونے والے صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا۔ یہ بائیکاٹ بوجوہ بڑا کامیاب رہا۔ پھر قومی اتحاد نے حکومت کے خلاف عوامی تحریک کا اعلان کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے شواہد سامنے آئے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ پری پول رگنگ بھی ہوئی اور پولنگ کے دن بھی دھاندلی کی گئی' لیکن یہ بات بھی واضح ہو کر سامنے آئی کہ دھاندلی پی پی پی کی حماقت اور اِس خواہش کا نتیجہ تھی کہ زیادہ امیدوار بڑے مارجن سے جیتیں' وگرنہ مبصرین کی رائے میں وہ بغیر دھاندلی کے بھی مناسب مارجن سے جیت رہی تھی۔ دھاندلی کے خلاف تحریک نے بعد ازاں ''نظامِ مصطفےٰ تحریک'' کی شکل اختیار کر لی' جسے بھٹو ہر قسم کا حربہ استعمال کر کے بھی ختم نہ کر سکے۔

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو اُس وقت کے آرمی چیف نے ملک میں حالات کی خرابی کا عذر بنا کر مارشل لاء لگا دیا۔ اِس مرتبہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کو مکمل طور پر منسوخ نہ کیا بلکہ صرف وہ شقات ختم کر دیں جو اُس کے اقتدار کے راستے میں حائل تھیں۔ بعد ازاں عدلیہ نے جسے جسٹس منیر نے ''نظریہ ضرورت'' کا خوبصورت جواز فراہم کیا تھا' اُسی کو استعمال کرتے ہوئے نہ صرف اِس مارشل لاء کو جائز قرار دیا بلکہ جنرل ضیاء الحق کو یہ اختیار بھی دے دیا کہ وہ اِس آئین میں جو چاہیں ترامیم کر سکتے ہیں۔ لہٰذا بظاہر تو وہ ۱۹۷۳ء کا آئین ہی رہا لیکن اُس کی اچھی خاصی سرجری کر دی گئی۔

جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء لگاتے وقت ۹۰ دن میں انتخابات کروا کر اقتدار عوام کو منتقل کرنے کا وعدہ کیا۔ اُس کا خیال یہ تھا کہ عوام نے بھٹو کے خلاف جس طرح تحریک چلائی ہے وہ اب کبھی اقتدار میں واپس نہیں آ سکتا۔ لیکن عوام کا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ اُن کی اکثریت نے مارشل لاء کو رد کر دیا۔ بھٹو ایک بار پھر پاپولر دکھائی دینے لگا' لہٰذا جنرل ضیاء الحق اپنے وعدے

سے مکر گیا اور انتخابات ملتوی کر دیے۔ جولائی ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۵ء تک جنرل ضیاء الحق انتخابات کے نئے نئے وعدے کرتا رہا لیکن کوئی وعدہ ایفا نہ کیا۔ درحقیقت اُسے خطرہ تھا کہ بھٹو اقتدار میں واپس آ کر آئین منسوخ کرنے کے جرم میں اُس پر آرٹیکل ۶ لگا دے گا' جس کی سزا موت ہے۔ لہٰذا بھٹو کو ایک قتل کے جرم میں پھانسی کی سزا سنا دی گئی۔ انتہائی افسوس ناک واقعہ یہ ہوا کہ سپریم کورٹ کے نو رکنی بینچ میں سے جن پانچ ججوں نے بھٹو کی سزائے موت کا فیصلہ سنایا' اُن کا تعلق پنجاب سے تھا۔ اِس لیے بھٹو کی مقبولیت میں صوبائیت کا رخ بھی در آیا۔ لہٰذا جنرل ضیاء الحق انتخابات کروانے سے ہچکچاتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کا انتخابات ملتوی کرنا ممکن نہ رہا۔ ۱۹۸۵ء میں اُسے یہ بات سوجھی کہ انتخابات تو کروا دیے جائیں لیکن کسی سیاسی جماعت کو اُس میں شرکت کی اجازت نہ ہو۔ یوں غیر جماعتی انتخابات کا شوشہ چھوڑ دیا گیا۔ یہ صد فی صد حقیقت ہے کہ اِن غیر جماعتی انتخابات کو انتالیس (۳۹) برس ہو چکے ہیں لیکن پاکستان اِس کے نقصانات آج تک بھگت رہا ہے۔ ان انتخابات میں برادری' دولت اور خاندانی اثر و رسوخ نے اتنا گہرا اثر ڈالا کہ اب جماعتی انتخابات میں بھی سرمایہ اور برادری انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ پھر یہ تضاد اِس انتہا پر سامنے آیا کہ اسمبلیوں کے قائم ہو جانے کے بعد ممبران اپنے اپنے مفادات کے لیے دولت کی چمک اور مختلف عہدوں کی لالچ کی بنیاد پر مختلف جماعتوں میں منتقل ہو گئے۔ اب سیاست پوری طرح ایک کاروبار اور تجارت کا رخ اختیار کر گئی۔

۱۹۸۵ء کے الیکشن میں اس مسلم لیگ کو جسے پیر پگاڑا کی سرپرستی حاصل تھی' اقتدار منتقل ہوا اور اُن کے مرید محمد خان جونیجو وزیر اعظم بن گئے۔ جنرل ضیاء الحق نے صدارت سنبھالی لیکن جلد ہی صدر اور وزیر اعظم میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ ضیاء الحق نے آئین کی جو تراش خراش کی اُس کے مطابق صدر کو قبل از وقت اسمبلی برطرف کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا تھا۔ ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو ضیاء الحق نے قومی اسمبلی توڑ کر وزیر اعظم جونیجو کو برطرف کر دیا اور ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء کو غیر جماعتی انتخابات کا اعلان کر دیا۔ لیکن اِس کے قریباً پونے تین ماہ بعد جنرل ضیاء الحق طیارے کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔ اب سینیٹ کے چیئرمین غلام اسحاق خان پاکستان کے صدر بن گئے۔ انہوں نے غیر جماعتی انتخابات کو جماعتی انتخابات میں تبدیل کر دیا۔ اِس موقعہ پر ایک اہم واقعہ رونما ہوا۔ جونیجو اپنی برخاستگی کو ضیاء الحق کی زندگی ہی میں چیلنج کر چکے تھے۔ کورٹ نے

اُن کے حق میں فیصلہ دیا کہ صدر ضیاء الحق کا اقدام غیر آئینی تھا۔ یوں اسمبلی بحال کر دی گئی‘ لیکن نئے آرمی چیف نے یہ کہہ کر عدالتی فیصلہ بدلوا لیا کہ اب انتخابات کی تیاری ہو چکی ہے لہٰذا انتخابات کرائے جائیں۔ نئے جنرل صاحب کا یہ فیصلہ بھی پاکستان کو مہنگا پڑا‘ کیونکہ اِس سے مستقبل کے صدر کے لیے بھی اسمبلی توڑنے کا راستہ کھل گیا۔

نئے انتخابات ۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء کو ہوئے جس میں قومی اسمبلی میں پاکستان پیپلز پارٹی کو اکثریت حاصل ہوئی۔ تین دن بعد جب صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے تو نواز شریف جو پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ تھے‘ انہوں نے زور دار انداز میں نعرہ لگایا: ”جاگ پنجابی جاگ‘ تیری پگ نوں لگ گیا داغ“۔ اِس نعرے نے صورتِ حال کو تبدیل کر دیا اور پاکستان پیپلز پارٹی جس نے پنجاب سے قومی اسمبلی کی بہت سی نشستیں جیت لیں تھی‘ یہاں کی صوبائی اسمبلی کا انتخاب ہار گئی اور نواز شریف پنجاب میں دوبارہ برسرِ اقتدار آ گئے۔ پھر جب تک اسمبلیاں قائم رہیں‘ مرکز میں بے نظیر کی حکومت اور پنجاب میں نواز شریف کی حکومت رہی۔ مرکز اور صوبہ پنجاب آپس میں ایک دوسرے کی سوکن کی طرح لڑتے رہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ وزیر اعظم بے نظیر اگر پنجاب آئیں تو وہ گرفتار ہو سکتی ہیں۔ بہرحال یہ دور اسی کش مکش میں گزرا۔ ۱۹۹۰ء میں صدر غلام اسحاق نے قومی اسمبلی توڑ دی اور بے نظیر کی حکومت ختم ہو گئی۔

۲۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء کو نئے انتخابات ہوئے۔ مسلم لیگ نے اسلامی جمہوری اتحاد (I.J.I) کے نام سے اسلامی جماعتوں کے ساتھ اتحاد کر کے انتخابات میں حصہ لیا۔ یہی وہ انتخابات ہیں جن میں آئی ایس آئی نے پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف I.J.I کو سپورٹ کیا اور اس اتحاد کی تمام جماعتوں کے لیڈروں کو بڑی بڑی رقوم سے نوازا۔ اس کے خلاف ایئر مارشل اصغر خان نے سپریم کورٹ میں کیس دائر کر دیا‘ جو کئی سال فائلوں تلے دبا رہا۔ اِس میں مرزا اسلم بیگ پر الزام لگا کہ یہ کام انہوں نے I.S.I کے چیف اسد درانی کے ذریعہ کیا ہے۔ بالآخر یہ ثابت تو ہو گیا کہ سیاست دانوں میں رقوم تقسیم کی گئی تھیں لیکن کسی کو کوئی سزا نہ ہوئی۔ نئے انتخابات کے نتیجہ میں I.J.I کی طرف سے نواز شریف پہلی مرتبہ وزیر اعظم بنے۔ سندھ میں بھی مسلم لیگ کی حکومت بنی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ۱۹۹۰ء میں اگرچہ پنجاب میں نواز شریف کی مقبولیت عروج پر تھی لیکن اُس وقت سندھ خاص طور پر اس کے دیہی علاقوں میں عوام یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ

نواز شریف نامی کوئی شخص پاکستان کا سیاست دان ہے۔ یہ I.S.I اور اُس کے فنڈز کی کارگزاری ہی تھی جو ناممکن کو ممکن بنا رہی تھی۔

صدر غلام اسحاق خان بحیثیت صدر ایک ایسا ریکارڈ قائم کر چکے ہیں جو نہ ابھی تک ٹوٹا ہے اور نہ کوئی امید ہے کہ مستقبل میں ٹوٹ سکے گا۔ وہ واحد صدرِ پاکستان ہیں جنہوں نے دو قومی اسمبلیاں توڑ دیں۔ ۱۹۹۰ء میں جب بے نظیر وزیر اعظم تھیں اور ۱۹۹۳ء میں جب نواز شریف کی حکومت تھی۔

انتخابات کے حوالے سے پاکستان کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مقتدرہ کا طریقہ کار یہ رہا کہ وہ ایک سیاسی جماعت یا سیاسی قوت کو نیچا دکھا کر اقتدار سے فارغ کرتے تو اُس کے سیاسی مخالفین کو سہارا دے کر اقتدار کی کرسی پر براجمان کر دیتے۔ لہٰذا ۱۹۹۳ء میں نواز شریف کی حکومت بے نظیر کے ساتھ ساز باز کر کے گرا دی گئی اور پاکستان پیپلز پارٹی کو سہارا دیا۔ نواز شریف کی سیاسی دشمن بے نظیر کو اقتدار سونپ دینے کے لیے اُس کی پارٹی کا مکمل ساتھ دیا۔ لہٰذا بے نظیر پھر وزیر اعظم بن گئیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اِس کے بعد فاروق لغاری جو P.P.P سے تعلق رکھتے تھے‘ اُن ہی کے ہاتھوں اُن کی پارٹی کی حکومت ختم کی گئی۔

۶ فروری ۱۹۹۷ء کو ایک بار پھر قومی اسمبلی میں نواز شریف حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ بات بھی نوٹ کر لیں کہ جتنی دیر نواز شریف برسرِ اقتدار رہے‘ بے نظیر اُن کی حکومت گرانے کے لیے طاقتور حلقوں سے مسلسل رابطے میں رہیں۔ آٹھویں ترمیم صدر پاکستان کے پاس ایک ایسا ہتھیار تھا جس سے مسلسل منتخب حکومتیں گرائی جا رہی تھیں۔ نواز شریف نے دو تہائی اکثریت کی بدولت اِس ترمیم کا خاتمہ کر کے صدر سے یہ ہتھیار چھین لیا تھا۔ لہٰذا اب بے نظیر کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ صدر کے ذریعے نواز شریف کی حکومت گرا سکتیں۔ پھر یہ کہ نواز شریف نے صدر بھی ایک سابق جج رفیق تارڑ کو بنا لیا تھا جو بہت سے حوالوں سے اُن کے ممنون احسان تھے۔ ۱۹۹۹ء میں چونکہ امریکہ افغانستان پر یلغار کرنے کے لیے پر تول رہا تھا‘ لہٰذا آرمی چیف پرویز مشرف نے امریکہ کے اشارے پر نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹ کر مارشل لاء لگا دیا۔ ہماری رائے میں جنرل پرویز مشرف کا یہ اقدام حقیقت میں قومی سلامتی پر ایک مہلک وار تھا جس سے پاکستان کے جسد پر ایسا زخم لگا جس میں سے ابھی تک خون رس رہا ہے۔ اگرچہ

نواز شریف نے بھی آرمی چیف کا ہوائی جہاز بھارت کی طرف موڑنے کا حکم دینے کی انتہائی احمقانہ حرکت کی تھی‘ لیکن پھر بھی یہ منتخب عوامی حکومت کا تختہ اُلٹنے کا جواز نہیں بنتا تھا۔

ہر فوجی طالع آزما کی طرح جنرل پرویز مشرف بھی انتخابات کے حوالے سے ٹال مٹول کرتے رہے۔ بالآخر اُنہوں نے ۱۰ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو انتخابات کے انعقاد کا اعلان کر دیا۔ نواز شریف قید کی صعوبت زیادہ عرصہ برداشت نہ کر سکے اور مشرف کے ساتھ ایک سمجھوتا کر کے جدہ چلے گئے۔ میدان چھوڑنے کی وجہ سے اُن کی سیاسی پوزیشن خراب ہوگئی اور جنرل مشرف مسلم لیگ میں توڑ پھوڑ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ لہٰذا مسلم لیگ (ن) میں سے مسلم لیگ (ق) نکل آئی‘ جسے چودھری برادران کی سربراہی حاصل ہوگئی۔ چودھری برادران کی بھاری کرپشن سے صرفِ نظر کر کے اُنہیں صاف شفاف قرار دے دیا گیا۔ انتخابات میں جو کچھ مسلم لیگ (ق) کے ساتھ تعاون کیا جا سکتا تھا‘ کیا گیا‘ لیکن وہ پھر بھی اپنی حکومت نہ بنا سکی۔

۱۸ فروری ۲۰۰۸ء کو پھر انتخابات ہوئے۔ بعض اطلاعات کے مطابق امریکہ مسلم لیگ (ق) کے خلاف ہو چکا تھا۔ پھر یہ کہ حالات پر جنرل مشرف کی گرفت بھی کمزور ہو چکی تھی۔ لہٰذا P.P.P برسرِ اقتدار آ گئی۔ یہ پہلی اسمبلی تھی جس نے پانچ سال کی مدت پوری کی۔

۱۱ مئی ۲۰۱۳ء کو ملک میں دسویں انتخابات منعقد ہوئے۔ نواز شریف نے جنرل مشرف کے ساتھ ۱۰ سال تک انتخابی سیاست میں حصہ نہ لینے کا جو سمجھوتا کیا تھا‘ وہ پورا ہو چکا تھا۔ اگرچہ ایک عرصہ تک نواز شریف اِس سمجھوتے کا انکار کرتے رہے لیکن جب سعودی عرب نے دستاویزی ثبوت فراہم کر دیا تو اُنہیں ماننا پڑا۔ گزشتہ ۵ سال میں P.P.P کی انتہائی خراب کارکردگی کی وجہ سے مقبولیت کے حوالے سے مسلم لیگ (ن) کی پوزیشن پھر بہتر ہوگئی تھی۔ البتہ اِس دوران عمران خان پوری طرح انتخابی میدان میں اتر چکے تھے اور نواز شریف کو چیلنج کر رہے تھے۔ اِسی دوران ایک حادثے میں عمران خان شدید زخمی ہو گئے اور انتخابی مہم نہ چلا سکے۔ اب مسلم لیگ (ن) کے لیے میدان خالی تھا۔ لہٰذا نواز شریف اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ عمران خان نے دھاندلی کے خلاف بھرپور مہم چلائی اور دھرنا بھی دیا‘ لیکن وہ نواز شریف کی حکومت گرانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہماری رائے میں ان انتخابات میں دھاندلی تو ہوئی ہوگی لیکن اتنی ہرگز نہیں تھی کہ اس کے بغیر نواز شریف کی بجائے عمران خان جیت جاتے۔ پھر اِسی

دوران پاناما لیکس سامنے آ گئیں۔ عمران خان نے پھر احتجاجی تحریک شروع کر دی۔ وہ حکومت تو نہ گرا سکے لیکن معاملہ اعلیٰ عدلیہ کے پاس چلا گیا۔ سپریم کورٹ نے نواز شریف کو غیر ملک میں اقامہ لینے کی بنیاد پر تاحیات نااہل کر دیا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ ایک بار پھر اِس فیصلے کی پشت پر نامعلوم قوتیں تھیں اور یہ فیصلہ کسی صورت عدل کے تقاضے پورے نہیں کرتا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ایون فیلڈ کی منی ٹریل پیش نہ کرنا بھی ایک بڑا جرم تھا لیکن اُس بنیاد کی بجائے ایک معمولی بات پر سزا سنا دی گئی۔ نواز شریف نااہل ہو گئے لیکن قومی اسمبلی نے اپنی مدت پوری کی جو ۲۰۱۸ء میں ختم ہوئی۔

۲۰۱۸ء کے انتخابات میں اسٹیبلشمنٹ کا رخ نواز شریف کے خلاف اور عمران خان کے حق میں تھا۔ لہٰذا بہت سے electables خاص طور پر جنوبی پنجاب سے‘ تحریک انصاف کی طرف دھکیل دیے گئے۔ نواز شریف کی نااہلیت سے بھی تحریک انصاف کو بہت فائدہ پہنچا۔ پھر یہ کہ انتخابات کے نتائج سناتے ہوئے RTS گرا دیا گیا۔ مسلم لیگ (ن) اور اتحادیوں کا دعویٰ تھا کہ اِس سے تحریکِ انصاف کو فائدہ پہنچایا گیا جبکہ تحریکِ انصاف کے مطابق ایسا اِس لیے کیا گیا تا کہ اسے اکثریت حاصل کرنے کے لیے دوسری جماعتوں کا محتاج رکھا جائے اور اسٹیبلشمنٹ اپنا کنٹرول مضبوط رکھ سکے۔ واللہ اعلم!

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مارشل لا کی بات تو بالکل الگ ہے‘ جمہوری ادوار میں بھی ہر الیکشن میں اسٹیبلشمنٹ اپنی پسند کے حوالے سے کردار ادا کرتی چلی آ رہی تھی۔ اپنی پسندیدہ جماعت اور لیڈر کو اقتدار میں لانے کے لیے کچھ اقدامات کرتی لیکن ایسا بڑے ڈھکے چھپے انداز میں کیا جاتا۔ ظاہری طور پر انتخابی معاملات سے لاتعلق رہ کر پس پردہ اقدامات کیے جاتے۔ اس مرتبہ یعنی ۲۰۲۴ء کے انتخابات میں اسٹیبلشمنٹ کھل کر اور ایک فریق بن کر سامنے آئی ہے۔ وہ ایک جماعت یعنی تحریک انصاف اور خاص طور پر اُس کے لیڈر عمران خان کو طے شدہ منصوبے کے تحت اقتدار سے باہر رکھنے کے لیے کھلے عام اقدامات کرتی رہی ہے۔ حالیہ انتخابات میں کھلے عام ایسے اقدام کیے گئے ہیں جو پہلے کبھی نہیں ہوئے۔ سب سے بڑا جرم تو یہ سرزد ہوا کہ اپنے اِس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے دو مرتبہ کھلم کھلا آئین شکنی کا ارتکاب کیا گیا۔ جب پنجاب اور کے پی کے اسمبلی توڑی گئی تو انتہائی بھونڈے بہانے تراش کر ۹۰ دن میں

وہاں انتخابات نہ کروائے گئے۔ اِن دو صوبوں میں نگران حکومتیں ۱۳ ماہ قائم رہیں۔ پھر آٹھ ماہ پورے ملک میں نگران حکومتیں مسلط رہیں جبکہ آئین کے مطابق ۹۰ روز سے ایک دن زائد بھی یہ حکومتیں نہیں رہ سکتی تھیں۔ اِس صورت میں نگران حکومتیں مکمل طور پر غیر آئینی اور غیر قانونی تھیں اور اصولی طور پر اِن کے احکامات کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ پھر یہ کہ PDM کی حکومت نے واشگاف طور پر اعلان کر دیا تھا کہ وہ دو صوبوں میں انتخابات کے حوالے سے سپریم کورٹ کا حکم نہیں مانے گی۔ یہ شاید دنیا میں بھی پہلی بار ہوا کہ کسی حکومت نے مقدمہ شروع ہوتے ہی یہ اعلان کر دیا کہ وہ سپریم کورٹ کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرے گی۔

پھر یہ کہ اِن نگرانوں کے ذریعے ایک مخصوص سیاسی جماعت اور کارکنوں پر ناقابلِ بیان مظالم ڈھائے گئے۔ انہیں جماعت چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ گھر کے بزرگوں کو خواتین کے سامنے برہنہ کیا گیا۔ کارکنوں کے گھروں میں داخل ہو کر ایسی شرم ناک حرکات کا ارتکاب کیا گیا جنہیں نہ زبان بیان کر سکتی ہے اور نہ کوئی قلم تحریر کر سکتا ہے۔ اُنہیں زدوکوب کیا گیا۔ قیمتی سامان چھینا گیا۔ اُن کے کاروباری اداروں میں داخل ہو کر بدترین طریقے سے لوٹ مار کی گئی۔ چادر اور چار دیواری کے تقدس کو بُری طرح روندا گیا۔ پہلی بار کسی بڑی پارٹی کے سربراہ کو الیکشن کے وقت جیل میں رکھا گیا۔ (اگرچہ عبدالولی خان ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں جیل میں تھے لیکن اُن کی جماعت کو سپریم کورٹ کالعدم قرار دے چکی تھی‘ اِس لیے اُس کا قانونی وجود ختم ہو چکا تھا۔ پھر یہ کہ نیشنل عوامی پارٹی مرکزی سطح پر نہیں بلکہ صرف صوبائی سطح کی ایک بڑی جماعت تھی۔) گھریلو عورتوں کو اُٹھا لیا گیا جن میں سے بعض تقریباً ایک سال سے جیل کاٹ رہی ہیں۔ پہلی بار میڈیا نے کسی ایک جماعت کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ میڈیا پر پارٹی سربراہ کا نام لینے کی پابندی لگا دی گئی۔ انتخابات میں حصہ لینا اُس جماعت کے لیے عذاب بنا دیا گیا۔ کاغذاتِ نامزدگی چھین لیے گئے۔ انتخابی امیدوار کے تجویز کنندہ اور تائید کنندہ کو اٹھا لیا گیا۔ پاکستان کی عدالتیں مکمل طور پر آزاد تو کبھی بھی نہ تھیں لیکن اِس جماعت کے حوالے سے عدلیہ نے جو سلوک کیا ہے وہ تحریر کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ شاید اِس قوم میں اب زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہی۔ اِس جماعت کے کارکن کی دس دس بار ضمانت ہوتی ہے لیکن جیل کے باہر پولیس نیا مقدمہ بنا کر تیار کھڑی ہوتی۔ ہائی کورٹ کے ایک جج نے خود عدلیہ کے منہ پر زوردار طمانچہ یوں مارا کہ سیاسی

کارکن کی ضمانت قبول کی اور کہا کہ میری طرف سے تو تم آزاد ہو لیکن پھر پولیس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ تمہیں نہیں چھوڑیں گے جب تک تم پریس کانفرنس نہیں کرتے (یعنی تحریک انصاف سے علیحدگی کا اعلان نہیں کرتے)۔ ذلت کی انتہا یہ ہے کہ وکلاء نے یہ بات عدالت سے باہر آ کر میڈیا کو بتائی۔ سوشل میڈیا پر یہ خبر بھی سامنے آئی کہ ایک جج عدالت میں دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ شاید اِسی کا نتیجہ ہے کہ بھاری بھرکم تنخواہیں اور لاکھوں روپے کی مراعات پانے کے باوجود جج استعفے دے رہے ہیں۔ یہ بھی پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ ایک جماعت کے سربراہ کے خلاف دو سو سے زائد مقدمات قائم کر دیے گئے اور ان کے فیصلے جو پہلے نسلیں گزر جانے کے بعد آتے تھے‘ اب شاید ایک دن میں دو دو فیصلے آ رہے ہیں۔ فیصلوں کی قطار لگی ہوئی ہے۔

یہ بھی پہلی مرتبہ ہوا کہ کسی لیڈر کے خانگی مسئلہ کو عدالت میں لایا گیا اور اس حوالے سے میاں بیوی کو سزا سنائی گئی۔ ہم اخلاقی طور پر اس قدر دیوالیہ ہو چکے ہیں کہ خانگی اور گھریلو معاملات عدالت میں گھسیٹ کر نہ صرف سربراہ جماعت بلکہ اُس کی بیوی کو بھی سزا کا اعلان کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے۔ پھر یہ کہ جیل کے اندر ہی عدالت لگا کر عدل وانصاف کے تمام تقاضوں کو بدترین انداز میں پامال کیا گیا۔ ملزم کو ایسا وکیل فراہم کیا گیا جو اُسی مقدمہ میں پراسیکیوٹر بھی تھا اور ملزم کا حقِ دفاع بھی غیر قانونی طور پر ختم کر دیا گیا۔ حیرت کی بات ہے کہ چیف جسٹس صاحب جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ انسانی حقوق کے حوالے سے بڑے حساس ہیں‘ وہ بھی سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور چپ سادھے بیٹھے ہیں۔

تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کو الیکشن کے موقع پر جلسے اور ریلیاں نکالنے کی اجازت تھی لیکن جب یہ معتوب اور مغضوب جماعت جلسہ کرتی یا ریلی نکالتی تو پولیس لاٹھیاں لے کر اُن پر ٹوٹ پڑتی۔ سب سے بڑا ظلم یہ کیا گیا کہ جماعت کا انتخابی نشان انتہائی احمقانہ اور بھونڈا عذر تراش کر چھین لیا گیا۔ سرکاری وکلاء کے سوا‘ پاکستان کے کسی بھی بڑے وکیل نے اِسے درست قرار نہ دیا۔ پرنٹنگ پریس اُن کے پوسٹر نہیں چھاپ سکتے تھے۔ چند ایک نے ہمت کی لیکن پوسٹر نظر آتے ہی مخصوص حلقوں میں ہل چل مچ جاتی اور نہ صرف وہ اُتار دیے جاتے بلکہ پریس کو بھی زیرِ عتاب لایا جاتا اور آئندہ کے لیے اُنہیں سختی سے ایسی گستاخی کرنے سے روک دیا جاتا۔ یوں معتوب جماعت کے پوسٹرز آٹے میں نمک کے برابر دکھائی دیے۔ انتخابات میں حصہ لینے والی

تمام جماعتیں پولنگ بوتھ کے قریب کیمپ لگاتی ہیں لیکن شروع میں مغضوب جماعت کو اس کی بھی اجازت نہ تھی۔ البتہ عین وقت پر جرأت مندقسم کے امیدوار کچھ کیمپ لگانے میں کامیاب ہوگئے۔ انتخابات سے دو دن پہلے تک تحریک انصاف کے امیدواروں کی انتخابات سے دستبرداری کا زبردستی اعلان کروایا جاتا رہا۔ جب اُنہیں کسی جگہ جلسہ کی اجازت نہ ملی تو اُنہوں نے ورچوئل جلسہ کرنے کی کوشش کی۔ اس موقع پر انٹرنیٹ بند کر دیا گیا جس سے سارے ملک کا خوامخواہ نقصان ہوا۔

پولنگ شروع ہونے سے پہلے پی ٹی آئی کے حمایت یافتہ آزاد امیدواروں کی گرفتاری اور رہائی کا عمل جاری تھا۔ پولنگ کے آغاز سے پہلے انٹرنیٹ اور موبائل سروس بند کر دی گئی تاکہ غیر پسندیدہ نتائج کی خبر نشر ہونے سے روکی جاسکے۔ آخری وقت تک ریٹرننگ آفیسرز کو تبدیل کیا جاتا رہا۔ عوام کا جوش وخروش دیکھ کر پولنگ کی رفتار بہت آہستہ کر دی گئی تاکہ زیادہ لوگ ووٹ نہ ڈال سکیں اور مایوس ہو کر واپس چلے جائیں۔ الیکشن کمیشن نے واضح اعلان کیا کہ کسی آزاد امیدوار کو پی ٹی آئی کا حمایت یافتہ نہیں کہا جاسکتا‘ لیکن میڈیا کے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں تھا کہ عوام پر کسی کی شناخت کیسے ظاہر کی جائے۔ لہٰذا اس حکم کی خلاف ورزی کرنا میڈیا کی مجبوری تھی۔ کہتے ہیں نقل کے لیے عقل چاہیے لیکن بددیانتی کے لیے مزید عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا اِس طرح کے لطیفے بھی ہوئے کہ امیدوار کو ایسا فارم ۴۵ دیا گیا جس پر اس کا نام ہی نہیں تھا۔ فارم ۴۵ ایک طرح کا سرکاری اعلان ہوتا ہے‘ لیکن بہت سے امیدوار ایسے تھے جنہیں فارم ۴۵ کے مطابق تو کامیاب قرار دیا گیا لیکن میڈیا سے مخالف امیدوار کے جیتنے کا اعلان کرا دیا گیا۔ دور دراز اور افغان سرحد کے قریب سے نتائج کا اعلان ہو رہا تھا لیکن لاہور جیسے بڑے شہر کے نتائج نہیں آرہے تھے!

حقیقت میں انتخابات کے نام پر ایک ڈرامار چایا گیا اور اس غریب اور مقروض قوم کا سینتالیس (۴۷) ارب روپیہ خاک میں ملا دیا گیا۔ کراچی میں ووٹوں کی لوٹ سیل لگا کر ایم کیو ایم کو پھر کھڑا کر دیا گیا۔ اللہ پاکستان پر رحم فرمائے! ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ۸ فروری ۲۰۲۴ء کو ہوا‘ اُسے کچھ بھی کہا جاسکتا ہے لیکن الیکشن نہیں۔ ہماری تجویز ہے کہ ایک ریفرنڈم کروایا جائے کہ ”کیا ۸ فروری ۲۰۲۴ء کا عمل الیکشن تھا؟“ اگر بیس پچیس فیصد لوگ بھی اِس کا جواب

”ہاں“ میں دے دیں تو یہ شمار کر لیا جائے کہ صد فی صد عوام نے اسے الیکشن قرار دے دیا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر پاکستان کے اندرونی اور بیرونی کنٹرولرز کو سوچنا چاہیے کہ اِس کے نتائج کیا نکلیں گے!

جہاں تک بیرونی کنٹرولرز کا تعلق ہے‘ وہ تو یہی چاہیں گے کہ پاکستان میں فساد ہوں اور انارکی پھیلے۔ اصلاً لمحۂ فکریہ اندرونی کنٹرولرز کے لیے ہے کہ وہ ایک ایسی مصنوعی حکومت بنا کر جو عوام کی اکثریت کی تائید سے محروم ہے‘ ملک کیسے چلائیں گے! ہمیں نظر آرہا ہے کہ یہ حکومت چند ماہ یا زیادہ سے زیادہ ایک ڈیڑھ سال کے لیے بنائی گئی ہے۔ واللہ اعلم! پاکستان میں انتخابات درحقیقت امریکہ کی موجودہ برسرِاقتدار پارٹی (ڈیموکریٹ) کی ضرورت بھی تھی‘ وگرنہ امریکہ میں شروع ہونے والی انتخابی مہم کے دوران اُن پر اپوزیشن (ری پبلکن پارٹی) کی طرف سے یہ الزام لگتا کہ پاکستان کی غیر قانونی اور غیر نمائندہ حکومت کی out of the way مدد کر رہے ہیں۔ ۵ نومبر ۲۰۲۴ء کو امریکہ کے صدارتی انتخابات ہوں گے اور ۲۰ جنوری ۲۰۲۵ء کو وہاں اقتدار منتقل ہونا ہے۔ پاکستان میں اس کمزور‘ لاغر لیکن ظاہراً جمہوری حکومت کو اُس وقت تک چلایا جائے گا۔ اُس کے بعد کیا ہوگا؟ نظر یوں آرہا ہے کہ پاکستان کا نظام ایک سفر شروع کرے گا اور مصر تک پہنچے گا‘ خدانخواستہ۔ مصری فارمولا امریکہ کے لیے بہت کامیاب رہا ہے۔ زندگی رہی اور قلم ہاتھ میں رہا تو اِس منصوبے کو بھی بے نقاب کریں گے‘ ان شاء اللہ۔ پاکستان کا اللہ حافظ ہو!

جہاد فی سبیل اللہ
اصل حقیقت‘ اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج
بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِیْن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ۖ﴿۲﴾
وَ اِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓـئِكَ اَنَّهُمۡ
مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۙ﴿۵﴾ يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ
الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ﴿۶﴾ كَلَّاۤ اِنَّ كِتٰبَ الۡفُجَّارِ لَفِىۡ سِجِّيۡنٍ ؕ﴿۷﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰٮكَ
مَا سِجِّيۡنٌ ؕ﴿۸﴾ كِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌ ؕ﴿۹﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۙ﴿۱۰﴾
الَّذِيۡنَ يُكَذِّبُوۡنَ بِيَوۡمِ الدِّيۡنِ ؕ﴿۱۱﴾ وَ مَا يُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ
مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍ ۙ﴿۱۲﴾ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ؕ﴿۱۳﴾
كَلَّا بَلۡ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾ كَلَّاۤ اِنَّهُمۡ عَنۡ
رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ ؕ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّهُمۡ لَصَالُوا الۡجَحِيۡمِ ؕ﴿۱۶﴾ ثُمَّ
يُقَالُ هٰذَا الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ؕ﴿۱۷﴾ كَلَّاۤ اِنَّ كِتٰبَ الۡاَبۡرَارِ
لَفِىۡ عِلِّيِّيۡنَ ؕ﴿۱۸﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا عِلِّيُّوۡنَ ؕ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌ ۙ﴿۲۰﴾
يَّشۡهَدُهُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ﴿۲۱﴾ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِىۡ نَعِيۡمٍ ۙ﴿۲۲﴾ عَلَى الۡاَرَآئِكِ
يَنۡظُرُوۡنَ ۙ﴿۲۳﴾ تَعۡرِفُ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ نَضۡرَةَ النَّعِيۡمِ ۚ﴿۲۴﴾ يُسۡقَوۡنَ مِنۡ
رَّحِيۡقٍ مَّخۡتُوۡمٍ ۙ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسۡكٌ ؕ وَ فِىۡ ذٰلِكَ فَلۡيَتَنَافَسِ
الۡمُتَنَافِسُوۡنَ ؕ﴿۲۶﴾ وَ مِزَاجُهٗ مِنۡ تَسۡنِيۡمٍ ۙ﴿۲۷﴾ عَيۡنًا يَّشۡرَبُ بِهَا
الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا كَانُوۡا مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

يَضۡحَكُوۡنَ ۖ﴿۲۹﴾ وَ اِذَا مَرُّوۡا بِهِمۡ يَتَغَامَزُوۡنَ ۖ﴿۳۰﴾ وَ اِذَا انۡقَلَبُوۡۤا اِلٰٓى
اَهۡلِهِمُ انۡقَلَبُوۡا فَكِهِيۡنَ ۖ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا رَاَوۡهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ
لَضَآلُّوۡنَ ۙ﴿۳۲﴾ وَ مَاۤ اُرۡسِلُوۡا عَلَيۡهِمۡ حٰفِظِيۡنَ ؕ﴿۳۳﴾ فَالۡيَوۡمَ الَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا مِنَ الۡكُفَّارِ يَضۡحَكُوۡنَ ۙ﴿۳۴﴾ عَلَى الۡاَرَآئِكِ ۙ يَنۡظُرُوۡنَ ؕ﴿۳۵﴾ هَلۡ
ثُوِّبَ الۡكُفَّارُ مَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾

آیت ۱ ﴿وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ۝۱﴾ ’’ہلاکت ہے کمی کرنے والوں کے لیے۔‘‘

وَیل کے معنی تباہی‘ بربادی اور ہلاکت کے بھی ہیں اور یہ جہنّم کی ایک وادی کا نام بھی ہے۔ ’طف‘ لغوی اعتبار سے حقیر سی چیز کو کہا جاتا ہے۔ اسی معنی میں یہ لفظ کم تولنے یا کم ماپنے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مُطَفِّف وہ ہے جو حق دار کو اس کا پورا حق نہیں دیتا بلکہ اس میں کمی کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے جو شخص ماپ تول میں کمی کرتا ہے وہ اپنے اس عمل کے ذریعے متعلقہ چیز کی بہت تھوڑی سی مقدار ہی ناحق بچا پاتا ہے۔ اس کے باوجود اسے یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ اتنی حقیر سی چیز کے لیے اپنا ایمان فروخت کر رہا ہے۔ بہرحال اس آیت میں کم تولنے یا کم ماپنے والوں کو آخرت میں بربادی اور جہنّم کی نوید سنائی گئی ہے۔

آیت ۲ ﴿الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ۝۲﴾ ’’وہ لوگ کہ جب دوسروں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں۔‘‘

آیت ۳ ﴿وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ ۝۳﴾ ’’اور جب خود انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کمی کر دیتے ہیں۔‘‘

آیت ۴ ﴿اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۝۴﴾ ’’کیا ان کو یہ گمان نہیں کہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے والے ہیں۔‘‘

آیت ۵ ﴿لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝۵﴾ ’’ایک بڑے دن کے لیے۔‘‘

آیت ۶ ﴿يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۶﴾ ’’جس دن کہ لوگ کھڑے ہوں گے تمام جہانوں کے رب کے سامنے۔‘‘

ناپ تول میں کمی کرتے ہوئے ہاتھ کو ہلکی سی جنبش دینا بظاہر تو ایک معمولی سا عمل ہے لیکن

''تل کی اوٹ میں پہاڑ'' کے مصداق ایسا کرنے والے کی اس حرکت سے ثابت ہوتا ہے کہ یا تو اس کا بعث بعد الموت پر یقین نہیں یا پھر اسے اس کی پروا نہیں کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

آیت ۷: ﴿كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝۷﴾ ''ہرگز نہیں! یقیناً گناہگاروں کے اعمال نامے سجین میں ہوں گے۔''

عام طور پر کِتٰب سے یہاں اعمال نامہ ہی مراد لیا گیا ہے کہ کافر و فاجر لوگوں کے اعمال نامے ''سِجّین'' میں جبکہ نیک لوگوں کے اعمال نامے ''عِلّیّین'' (بحوالہ آیت ۱۸) میں ہوں گے۔ تاہم بعض احادیث سے پتا چلتا ہے کہ ''سجّین'' ایک مقام ہے جہاں اہلِ دوزخ کی روحیں محبوس ہوں گی جبکہ اہلِ جنّت کی ارواح ''علّیین'' میں ہوں گی۔ چنانچہ سجّین اور علّیین کا یہ فرق صرف اعمال ناموں کو رکھنے کے اعتبار سے نہیں ہو سکتا۔ اس حوالے سے میرے غور وفکر کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے خاکی جسم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو روح پھونکی گئی ہے وہ ایک نورانی چیز ہے۔ انسان اچھے برے جو بھی اعمال کرتا ہے اس کے اثرات اس کی روح پر مترتب ہوتے رہتے ہیں‘ جیسے آواز کی ریکارڈنگ کرتے ہوئے ٹیپ کے فیتے‘ سی ڈی یا مائیکروکارڈ وغیرہ پر اس آواز کے اثرات نقش ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ انسانوں کی ارواح جب اس دنیا سے جاتی ہیں تو اعمال کے اثرات اپنے ساتھ لے کر جاتی ہیں۔ ان ''اثرات'' کی وجہ سے ہر روح دوسری روح سے مختلف ہو جاتی ہے اور یوں نیک اور بُرے انسانوں کی ارواح میں زمین آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میری رائے میں انسانی ارواح پر ثبت شدہ اثراتِ اعمال کو یہاں لفظ ''کتاب'' سے تعبیر کیا گیا ہے‘ یعنی انسانی ارواح اعمال کے اثرات لیے ہوئے جب اس دنیا سے جائیں گی تو بُرے اعمال کے اثرات والی ارواح کو سجین میں رکھا جائے گا۔ سجن کے معنی ''جیل خانہ'' کے ہیں۔ گویا برے لوگوں کی ارواح کو وہاں کسی جیل نما جگہ میں بند کر دیا جائے گا‘ جیسے ضلعی انتظامیہ کے ''محافظ خانے'' میں پرانی فائلوں کے انبار لگے ہوتے ہیں۔

آیت ۸: ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝۸﴾ ''اور تم نے کیا سمجھا کہ سجین کیا ہے؟''

آیت ۹: ﴿كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝۹﴾ ''لکھا ہوا دفتر۔''

اس ''کِتٰب'' سے مراد ایک انسان کی جان اور روح کا وہ ملغوبہ ہے جس میں اُس کے اعمال کے اثرات بھی ثبت ہوتے ہیں۔ کسی بُرے انسان کے مرنے پر متعلقہ فرشتہ وہ ملغوبہ لا کر

سجّین میں ''جمع'' کرا دیتا ہے۔

آیت ۱۰: ﴿وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۰﴾ ''تباہی اور ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔''

آیت ۱۱: ﴿الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝۱۱﴾ ''جو جھٹلا رہے ہیں جزاوسزا کے دن کو۔''

آیت ۱۲: ﴿وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝۱۲﴾ ''اور نہیں جھٹلاتا اس دن کو مگر وہی کہ جو حد سے بڑھنے والا گناہگار ہے۔''

ایسا شخص جزاوسزا کے دن کو دراصل اس لیے جھٹلاتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں اور حرام خوریوں کی وجہ سے اس دن کے احتساب کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ چنانچہ جس طرح بلی سے بچنے کے لیے کبوتر اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اسی طرح یومِ حساب کی جواب دہی سے بچنے کے لیے ایسے لوگ اس دن کے وقوع کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔

آیت ۱۳: ﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳﴾ ''جب اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ہماری آیات تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔''

یعنی یہ تو وہی باتیں ہیں جو پچھلے زمانے کے لوگوں سے سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہیں۔

آیت ۱۴: ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۴﴾ ''ہرگز نہیں! بلکہ (اصل صورتِ حال یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر زنگ آ گیا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے۔''

اس 'زنگ' کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی ہے کہ ''بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے‘ اس گناہ سے باز آ جائے اور استغفار کرے تو اس کے دل کا یہ داغ صاف ہو جاتا ہے‘ لیکن اگر وہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہی چلا جائے تو وہ داغ بڑھتے جاتے ہیں‘ یہاں تک کہ سارے دل کو گھیر لیتے ہیں۔'' (مسند احمد‘ ترمذی‘ نسائی‘ ابن ماجہ وغیرہ)

گناہگار اہلِ ایمان کے دلوں کے اندر ان کی روحوں کا ''نور'' تو موجود ہوتا ہے لیکن دلوں کے ''شیشے'' زنگ آلود ہو جانے کی وجہ سے یہ نور خارج میں اپنے اثرات نہیں دکھا سکتا۔ جیسے کسی فانوس یا لالٹین کا شیشہ اگر دھوئیں سے سیاہ ہو جائے تو اس کے اندر جلنے والے شعلے کی روشنی باہر

نہیں آ سکتی اور باہر کی روشنی اندر نہیں جا سکتی۔ انسانی دل کی اس کیفیت کی وضاحت کرتے ہوئے حضور ﷺ نے اس کا علاج بھی تجویز فرما دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ)) قِيْلَ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جِلَاءُهَا؟ قَالَ : ((كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ))[1]

’’ان دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسے لوہا پانی پڑنے سے زنگ آلود ہو جاتا ہے‘‘۔ دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! اس زنگ کو دور کس چیز سے کیا جائے؟ فرمایا: ’’موت کی بکثرت یاد اور قرآن مجید کی تلاوت!‘‘

آیت ۱۵ ﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝۱۵﴾ ’’ہرگز نہیں! یقیناً یہ لوگ اُس دن اپنے ربّ سے اوٹ میں رکھے جائیں گے۔‘‘

قیامت کے دن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم کر دیے جائیں گے۔ اس کے برعکس نیکوکار لوگوں کے لیے سورۃ القیامہ میں یہ خوشخبری سنائی گئی ہے: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝۲۲ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝۲۳﴾ کہ اس دن کچھ چہرے تر وتازہ ہوں گے اور وہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میدانِ حشر میں اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کے دیدار یا اس کی کسی خاص شان کے مشاہدے سے سرفراز فرمایا جائے گا جس کے باعث اس دن کے سخت مراحل ان کے لیے آسان ہو جائیں گے۔ اس حوالے سے ہمارے عام مفسرین کی رائے بھی یہی ہے کہ میدانِ حشر میں بھی مؤمنین صادقین کو اللہ تعالیٰ کا دیدار کرایا جائے گا۔ آیت زیر مطالعہ سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اُس وقت میدانِ حشر میں کفّار و مشرکین بھی کھڑے ہوں گے لیکن انہیں اس نعمت سے محروم کر دیا جائے گا۔ میدانِ حشر کے ایسے ہی ایک منظر کی جھلک سورۃ نٓ کی اس آیت میں بھی دکھائی گئی ہے: ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝۴۲﴾ ’’جس دن پنڈلی کھولی جائے گی‘ اور انہیں پکارا جائے گا (اللہ کے حضور) سجدے کے لیے‘ لیکن وہ کر نہیں سکیں گے‘‘۔ یعنی اہلِ ایمان جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے

۱۔ رواہ البیهقی فی شعب الایمان۔ مشکاۃ المصابیح‘ کتاب فضائل القرآن‘ الفصل الثالث۔

کرتے تھے وہ تو اس حکم کو سنتے ہی سجدے میں گر جائیں گے لیکن دوسرے لوگوں کی کمریں تختہ ہو کر رہ جائیں گی‘ وہ تمام تر خواہش اور کوشش کے باوجود سجدہ نہیں کر سکیں گے۔

آیت ۱۶ ﴿ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝۱۶﴾ ’’پھر انہیں جھونک دیا جائے گا جہنّم میں۔‘‘

اس آیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ مرحلہ دوزخ میں داخلے سے پہلے کا ہے‘ یعنی دیدارِ الٰہی سے محروم رکھے جانے کا واقعہ میدانِ حشر میں ہی رونما ہوگا۔

آیت ۱۷ ﴿ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۷﴾ ’’پھر ان سے کہا جائے گا: یہ ہے وہ چیز جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے!‘‘

دنیا میں تم لوگ جنّت‘ دوزخ اور جزا وسزا کو بڑے شدّ ومدّ سے جھٹلایا کرتے تھے۔ اب دیکھ لو! دوزخ اور اس کی سزائیں حقیقت بن کر تمہارے سامنے آ گئی ہیں۔

آیت ۱۸ ﴿كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝۱۸﴾ ’’نہیں! یقیناً نیکوکاروں کے اعمال نامے علّیین میں ہوں گے۔‘‘

آیت ۱۹ ﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝۱۹﴾ ’’اور تمہیں کچھ اندازہ ہے وہ علّیّین کیا ہے؟‘‘

آیت ۲۰ ﴿كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝۲۰﴾ ’’لکھا ہوا دفتر۔‘‘

یعنی ان لوگوں کی ارواح کا مقام جن پر ان کے نیک اعمال کے اثرات بھی ثبت ہوں گے۔

آیت ۲۱ ﴿يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝۲۱﴾ ’’وہاں موجود ہوں گے ملائکہ مقربین۔‘‘

ان لوگوں کی ارواح کو ملائکہ مقربین کی صحبت میسّر ہوگی۔ اس بلند مقام پر انہیں قیامِ قیامت تک رکھا جائے گا۔

آیت ۲۲ ﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝۲۲﴾ ’’یقیناً نیکوکار نعمتوں میں ہوں گے۔‘‘

آیت ۲۳ ﴿عَلَى الْاَرَآىِٕكِ يَنْظُرُوْنَ ۝۲۳﴾ ’’وہ تختوں پر بیٹھے (مناظر جنّت) دیکھ رہے ہوں گے۔‘‘

آیت ۲۴ ﴿تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ۝۲۴﴾ ’’تم دیکھو گے ان کے چہروں پر تروتازگی کی علامات۔‘‘

جیسے دنیا میں انسان کی خوشحالی اور آسودگی کے اثرات اس کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں

اسی طرح قیامت کے دن اہلِ جنّت اپنے تروتازہ چہروں سے صاف پہچانے جائیں گے۔

آیت ۲۵ ﴿یُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِیۡقٍ مَّخۡتُوۡمٍ ﴿۲۵﴾﴾ ’’انہیں پلائی جائے گی خالص شراب جس پر مہر لگی ہوگی۔‘‘

ہندوستان کے معروف اہلِ حدیث عالم دین مولانا صفی الرحمن مبارکپوری نے احادیث کے حوالے سے سیرت پر ایک بہت عمدہ کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کا نام انہوں نے اس آیت سے اخذ کیا ہے۔ انہیں اس کتاب پر شاہ فیصل ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ اَلرَّحِیۡقُ الۡمَخۡتُوۡم کے نام سے یہ کتاب اردو میں ہے اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

آیت ۲۶ ﴿خِتٰمُہٗ مِسۡکٌ ؕ﴾ ’’اس کی مہر ہوگی مشک کی۔‘‘

﴿وَفِیۡ ذٰلِکَ فَلۡیَتَنَافَسِ الۡمُتَنَافِسُوۡنَ ﴿۲۶﴾﴾ ’’اس چیز کے لیے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سبقت لے جانے والے۔‘‘

اہلِ ایمان کو چاہیے کہ وہ دنیا کی حقیر چیزوں کے پیچھے دوڑنے کے بجائے ان دوامی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے محنت اور مسابقت کریں۔

آیت ۲۷ ﴿وَمِزَاجُہٗ مِنۡ تَسۡنِیۡمٍ ﴿۲۷﴾﴾ ’’اور اس کی ملونی ہوگی تسنیم سے۔‘‘

اس شراب یعنی رحیقِ مختوم میں تسنیم کا مشروب بھی ملایا گیا ہوگا۔ اور یہ تسنیم کیا ہے؟

آیت ۲۸ ﴿عَیۡنًا یَّشۡرَبُ بِہَا الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿۲۸﴾﴾ ’’یہ ایک چشمہ ہے جس پر جام نوشی کریں گے مقربین بارگاہ۔‘‘

آیت ۲۹ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اَجۡرَمُوۡا کَانُوۡا مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یَضۡحَکُوۡنَ ﴿۲۹﴾﴾ ’’یقیناً جو مجرم تھے وہ اہلِ ایمان پر ہنسا کرتے تھے۔‘‘

وہ اہلِ ایمان کا مذاق اڑایا کرتے تھے کہ دیکھو ان بے وقوفوں کو جنہوں نے آخرت کے موہوم وعدوں پر اپنی زندگی کی خوشیاں اور آسائشیں قربان کر دی ہیں۔

آیت ۳۰ ﴿وَاِذَا مَرُّوۡا بِہِمۡ یَتَغَامَزُوۡنَ ﴿۳۰﴾﴾ ’’اور جب یہ ان کے قریب سے گزرتے تھے تو آپس میں آنکھیں مارتے تھے۔‘‘

کہ دیکھو! یہ ہیں وہ احمق جو جنّت کی حوروں کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔

آیت ۳۱ ﴿وَاِذَا انۡقَلَبُوۡۤا اِلٰۤی اَہۡلِہِمُ انۡقَلَبُوۡا فَکِہِیۡنَ ﴿۳۱﴾﴾ ’’اور جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتے تھے تو باتیں بناتے ہوئے لوٹتے تھے۔‘‘

آیت ۳۲ ﴿وَاِذَا رَاَوۡہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوۡنَ ﴿۳۲﴾﴾ ’’اور جب وہ ان (اہلِ ایمان) کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ یقیناً یہ بہکے ہوئے لوگ ہیں۔‘‘

مخالفین کے ایسے تبصرے طنزیہ بھی ہو سکتے ہیں اور ان میں ہمدردی کا پہلو بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے آج کل بھی ہمیں ایسے فقرے اکثر سننے کو مل جاتے ہیں کہ دیکھیں! یہ اچھا بھلا ذہین نوجوان تھا۔ بورڈ ٹاپ کیا‘ یونیورسٹی میں گولڈ میڈل لیا‘ ملازمت بھی بہت اچھی ملی‘ لیکن پھر اچانک خدا جانے اسے کیا ہوا کہ اس کا رجحان مذہب کی طرف ہو گیا‘ اس کے بعد تو اس کی ترجیحات ہی بدل گئی ہیں‘ اب اسے نہ اپنا خیال ہے اور نہ ملازمت کی فکر‘ بس رات دن اس کے سر پر تبلیغ کی دھن سوار ہے۔ بے چارہ‘ اچھا خاصا کیریئر تباہ کر کے بیٹھ گیا ہے۔

آیت ۳۳ ﴿وَمَاۤ اُرۡسِلُوۡا عَلَیۡہِمۡ حٰفِظِیۡنَ ﴿۳۳﴾﴾ ’’جب کہ انہیں نہیں بھیجا گیا تھا ان پر نگران بنا کر۔‘‘

آیت ۳۴ ﴿فَالۡیَوۡمَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنَ الۡکُفَّارِ یَضۡحَکُوۡنَ ﴿۳۴﴾﴾ ’’تو آج (قیامت کے دن) اہلِ ایمان ان کُفّار پر ہنس رہے ہیں۔‘‘

آیت ۳۵ ﴿عَلَی الۡاَرَآئِکِ ۙ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾﴾ ’’وہ تختوں پر بیٹھے (ان کا حشر) دیکھ رہے ہیں۔‘‘

کہ ابوجہل پر کیا بیت رہی ہے اور ابولہب کو کیسے عذاب کا سامنا ہے۔

آیت ۳۶ ﴿ہَلۡ ثُوِّبَ الۡکُفَّارُ مَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾﴾ ’’بدلہ مل گیا نا کافروں کو اس کا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے!‘‘

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

ماہِ رمضان اور قرآن

چودھری رحمت اللہ بٹرؒ

اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کا حکم دیا تو ساتھ ہی وعدہ فرمایا:

﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾﴾ (طٰهٰ)

’’پس جب بھی میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جو پیروی کرے گا میری ہدایت کی وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ ہی بدبخت۔ اور جو میری اس نصیحت سے منہ موڑے گا اس کے لیے زندگی اجیرن ہوگی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا ہے جبکہ میں تو آنکھوں والا تھا؟ اللہ فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئی تھیں تو تم نے انہیں نظرانداز کر دیا‘ اور اسی طرح آج تمہیں بھی نظرانداز کر دیا جائے گا۔ اور ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں اس کو جو حد سے آگے بڑھ جاتا ہے اور ہماری آیات پر ایمان نہیں لاتا۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت سخت اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔‘‘

یہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کے لیے پورا کیا اور ہر اُمّت کی طرف اپنی ہدایت بھیجی۔ جن کتابوں کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے وہ بھی سب کی سب رمضان ہی میں نازل کی گئیں۔ چنانچہ صحفِ ابراہیم علیہ السلام یکم رمضان‘ تورات ۱۸ رمضان‘ زبور ۱۲ رمضان اور قرآن مجید لیلۃ القدر میں اتارا گیا۔ روزے کی عبادت بھی ہر اُمّت پر فرض رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایت اتنی عظیم نعمت ہے کہ اس کا تعلق جس شے سے بھی ہو جاتا ہے وہ اسے مبارک بنا دیتی ہے۔ چنانچہ ہفتے کے دنوں میں سے جمعہ مبارک دن ہے تو اس کی برکت کا ذریعہ بھی قرآن مجید ہے۔ اصل میں جمعہ کو فضیلت خطبۂ جمعہ کی وجہ سے ملی ہے۔ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ’’كَانَ يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے ذریعے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے۔ سال کے مہینوں میں سے رمضان کو جو برکت ملی ہے اس کا سبب اس ماہ میں قرآن مجید کا نزول ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

’’رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا تمام انسانیت کے لیے ہدایت بنا کر اور ہدایت بھی وہ جو بالکل روشن ہے اور حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔‘‘

پھر جس رات کو اس کا نزول لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر ہوا‘ اس کو ایک ہزار مہینوں سے زیادہ خیر و برکت مل گئی:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۵ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾﴾ (القدر)

’’بے شک ہم نے اس (قرآن مجید) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور جبرائیلؑ اللہ کے اذن سے ہر کام پر نازل ہوتے ہیں۔ (اس رات) سلامتی ہی سلامتی ہے طلوعِ فجر تک۔‘‘

اب ذرا قرآن مجید کی عظمت کا اندازہ کیجیے کہ وہ خود کتنی عظمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعے انسانوں کو شعور دلایا ہے:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ (الحشر)

''اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرما دیتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کی عظمت وہیبت سے دب جاتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ اور یہ مثال ہم انسانوں کے لیے بیان کر رہے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔''

اس لیے اس کلام کو واسطوں کے ذریعہ نازل کیا گیا' کیونکہ براہِ راست تحمل ممکن نہ تھا۔ فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝۵۱﴾ (الشوریٰ)

''اور کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے' سوائے وحی کے (بندے کے دل میں بات سرعت سے ڈال دیتا ہے) یا (پھر وہ بات کرتا ہے) پردے کی اوٹ سے' یا وہ اپنا ایلچی (فرشتہ) بھیجتا ہے تو وہ وحی کرتا ہے اُس کے اذن سے جو وہ چاہتا ہے۔ یقیناً وہ بہت بلند وبالا ہے' کمالِ حکمت والا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۷ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸﴾ (یونس)

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت (اور خیر خواہی) پہنچ گئی ہے اور تمہارے سینوں (کے اَمراض) کی شفا اور اہلِ ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت۔ (اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے' تو چاہیے کہ لوگ اس پر خوشیاں منائیں۔ یہ کہیں بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے (كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ)' چنانچہ یہ قرآن مجید ہی ہے جو انسان کو اللہ سے جوڑنے کا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ الحج کی آخری آیت میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۷۸﴾

''(اے ایمان والو!) اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے تھام لو! وہی تمہارا پشت پناہ ہے' پس وہ کتنا ہی اچھا مولا ہے اور کتنا ہی اچھا مددگار!'' اب سوال پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو کیسے تھاما جائے؟ وہ تو کوئی مرئی ہستی نہیں ہے۔ اس کو قرآن میں مزید واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے جڑنا ہے تو

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران:۱۰۳) ''اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور اس بارے میں اختلاف میں نہ پڑو!''

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی یہ رسّی کون سی ہے؟ اس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان میں واضح فرما دیا کہ قرآن مجید وہ مضبوط رسّی ہے: ((هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ)) (رواہ الترمذی فی روایۃ طویلۃ علی ھٰذا) حضرت ابوسعید خدری ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ)) (صحیح الجامع) ''اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے۔''

معجم طبرانی کبیر میں حضرت جبیر بن مطعم ؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی مکرم ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ صحابہ کرام ؓ آپس میں قرآن مجید پڑھ پڑھا رہے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ کے چہرے پر بشاشت کے آثار نمایاں ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَلَيْسَ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّ الْقُرْآنَ جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ؟)) ''کیا تم اس بات کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ تنہا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں؟ اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا ہے؟'' حضرت جبیر ؓ آگے روایت کرتے ہیں: قُلْنَا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ''ہم نے عرض کیا: یقیناً ایسا ہی ہے اے اللہ کے رسول!'' حضور ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کی اس تصدیق وشہادت کے بعد فرمایا: ((فَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ طَرَفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرَفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ)) ''پھر تو خوشیاں مناؤ' اس لیے کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ہے۔'' آگے ارشاد ہوا: ((فَتَمَسَّكُوْا بِهٖ' فَاِنَّكُمْ لَنْ تَهْلِكُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا)) ''پس اسے مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو! (اگر تم نے ایسا کیا) تو اس کے بعد تم نہ کبھی ہلاک ہوگے اور نہ کبھی گمراہ۔'' اس حدیث شریف میں گویا حبل اللہ کی شرح موجود ہے کہ یہ قرآن حکیم ہے۔

قرآن حکیم کی عظمت اور فضیلت کے بارے میں یہ حدیث قدسی ملاحظہ کیجیے۔ حضرت ابوسعید ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَقُوْلُ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ: مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ وَذِكْرِيْ عَنْ مَسْأَلَتِيْ اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَا اُعْطِي السَّائِلِيْنَ، وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ))(سنن الترمذی وضَعَّفَهُ الالبانیؒ)

''جس شخص کو قرآن مجید (کے پڑھنے پڑھانے) اور میرے ذکر (یعنی قرآن) کی مشغولیت کے باعث مجھ سے مانگنے کی فرصت نہ ہو تو میں اسے بہتر عطا کرتا ہوں بہ نسبت ان کے جو مانگنے والوں کو دیتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی فضیلت دوسرے کلاموں پر ایسے ہی ہے جیسے خود اللہ تعالیٰ کی فضیلت اپنی تمام مخلوق پر ہے۔''

علامہ اقبال نے اسے یوں بیان کیا ہے:

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا ست ایں
زندہ و پائندہ و گویا ست ایں

''(اس کتاب کے بارے میں) جو بات میرے دل میں پوشیدہ ہے اسے اعلانیہ ہی کہہ گزروں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک کتاب نہیں' کچھ اور ہی شے ہے! یہ ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ (کا کلام ہے' لہٰذا اسی) کے مانند پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی۔ اور جیتی جاگتی بولتی بھی ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والی بھی!''

اُمّ المومنین حضرت عائشہ ؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شَرَفًا يَتَبَاهُوْنَ بِهٖ، وَاِنَّ بَهَاءَ اُمَّتِيْ وَشَرَفُهَا الْقُرْآنُ)) (رواہ الطبرانی)

''بے شک ہر چیز کے لیے ایک شرف ہوتا ہے جس پر فخر کیا جاتا ہے' اور میری امت کے لیے وہ شرف اور فخر کی چیز قرآن مجید ہے۔''

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے رمضان المبارک میں نبی کریم ﷺ کا معمول یوں بیان کیا:

کان النبی ﷺ اجودَ الناس بالخیر، وکان اجودَ ما یکون فی رمضان حین یلقاہ جبریل علیہ السلام، وکان جبریل علیہ السلام یلقاہ کل لیلۃ حتی ینسلخ، یعرض علیہ النبی ﷺ القرآن، فاذا لقیہ

جبریل علیہ السلام کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ (رواہ البخاری)

''نبی اکرم ﷺ تمام انسانوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں جب جبریل علیہ السلام سے ملاقات کرتے تو آپؐ کی سخاوت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ اور جبریل علیہ السلام ماہِ رمضان کے دوران آپ ﷺ سے ہر رات ملاقات کرتے تھے' اور نبی اکرم ﷺ جبریل علیہ السلام پر قرآن پیش کرتے تھے۔ پس جب آپ ﷺ جبریل علیہ السلام سے ملاقات کرتے تو آپ ﷺ کی سخاوت تند و تیز ہوا سے بھی زیادہ بڑھ جاتی تھی۔''

کُتبِ احادیث میں آپ ﷺ کا ایک فرمان نقل ہوا ہے:

((اِذَا اَحَبَّ اَحَدُكُمْ اَنْ يُحَدِّثَ رَبَّهٗ فَلْيَقْرَءِ الْقُرْآنَ))(کنز العمال)

''جب تم میں کسی کو اپنے رب سے ہم کلامی کی چاہت ہو تو وہ قرآن کی تلاوت کرے۔''

اس لیے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے تخاطب ہی تو ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ)) (صحیح مسلم)

''بے شک اللہ تعالیٰ اب (قرآن کے ماننے والی) اقوام کو اسی کتاب کے ذریعے عروج عطا فرمائے گا اور اسی کو چھوڑنے پر زوال پذیر کرے گا۔''

قرآن مجید میں یہ اعلان فرمادیا گیا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ﴾ (المائدۃ: ۳)

''آج کے دن میں نے کامل کر دیا ہے تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت (ہدایت) اور اسلام کو بطور دین تمہارے لیے پسند کرلیا ہے۔''

یہ ہے اللہ کا فضل اور اس کی رحمت جو اس اُمت پر ہوئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے نزول کا مقصد کیا ہے؟ آیا اُمّتِ مُسلمہ اس مقصد کو پورا کرنے کی جدوجہد کر رہی ہے اور اس کے حقوق ادا کر رہی ہے یا پہلی امتوں کی طرح اس سے پہلو تہی کر رہی ہے اور اس کے تقدس کو پامال کر رہی ہے!

اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایتِ انسانی کے لیے نازل کیا ہے اور قرآن مجید میں جہاں اس کے نزول کا ذکر آیا ہے وہاں بھی یہی فرمایا ہے:

﴿شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا جو تمام انسانیت کے لیے ہدایت کا سامان ہے اور ہدایت بھی وہ جو بالکل روشن ہے اور حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔''

چنانچہ انسان کی اصل ضرورت واحتیاج بھی یہی ہے‘ جس کے لیے ہمیں سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے خود سکھایا ہے کہ یوں دعا کرو:

﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ﴿۵﴾ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷﴾﴾

''(اے اللہ!) ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت دے۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا انعام ہوا‘ نہ ان پر تیرا غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔''

اور اسی کے جواب میں فرما دیا گیا کہ اگر تمہارے اندر طلب ہدایت پیدا ہوگئی ہے تو پھر:

﴿الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚ فِیۡہِ ۚ ہُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۲﴾﴾ (البقرۃ)

''الف لام میم ۔ یہ وہ کتاب ہے جس (کے کلامِ الٰہی ہونے) میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے پرہیزگار لوگوں کے لیے۔''

یعنی ان کے لیے جو ہدایت کے طالب ہوں۔ متقی (پرہیزگار) اسے ہی کہتے ہیں جو اللہ کی ہدایت جاننا چاہتا ہو کہ میں اس پر عمل پیرا ہو کر اللہ کی نافرمانی سے بچ جاؤں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اس معاملہ میں بالکل اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے‘ کیونکہ جب وہ اپنی عقل سے راہ معین کرتا ہے تو اعتدال پر نہیں رہ پاتا بلکہ انتہا پسندی کی طرف نکل جاتا ہے۔ اس کے لیے اعتدال اور روشن راہ وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اس کے لیے نازل کرتا ہے‘ کیونکہ وہ تمام مخلوق کا خالق ہے‘ اس کی ضرورتوں سے خوب واقف ہے اور اس کے حقوق وفرائض کا تعین کرنے والا ہے۔ خاص طور پر ایمان کا تو یقینی ذریعہ ہی نورِ وحی ہے جو آکر نورِ فطرت کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی تفاصیل سے انسان کو آگاہ کرتا ہے۔ پھر اجتماعی معاملات میں تو انسان کبھی بھی سیدھی راہ پر قائم نہیں رہ سکتا جب تک کہ اس کی رہنمائی نہ کی جاتی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی انسان راہِ اعتدال کو چھوڑ کر

مادر پدر آزاد معاشرت‘ سود پر مبنی کیپٹلزم اور کبھی کمیونزم کی طرف بڑھتا ہے‘ اور کبھی اسلام کے عادلانہ نظام سے بچنے کے لیے اسے روشن خیال بنانے پر دولت نچھاور کرتا ہے۔

انسان حب عاجلہ کا شکار ہو کر انبیاء ورسل ؑ کا لایا ہوا معاشرتی‘ معاشی اور سیاسی نظامِ عدل وقسط برباد کرتا رہا ہے۔ جس کو اختیار مل جاتا ہے وہ اپنے لیے مراعات حاصل کرنے اور دوسروں کو دبانے کا رویہ اپنا لیتا ہے۔ اس سے مرد وعورت‘ سرمایہ اور دولت‘ ریاست اور عوام کے حقوق وفرائض میں توازن بگڑ جاتا ہے اور دنیا ظلم اور اندھیر نگری نظر آنے لگتی ہے‘ جیسے آج طاقت کے نشے میں امریکہ مسلم ممالک کے سربراہوں کو خوف و لالچ کے ذریعے اپنے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اپنی قومی دولت اور عسکری قوت کے بے دریغ استعمال پر تلا ہوا ہے۔ ان بین الانسانی معاملاتِ اجتماعی میں اگر توازن پیدا ہوا ہے تو انبیاء و رُسل ؑ کے ذریعے۔ آخری بار دنیا نے مساوات‘ اخوت اور آزادیٔ رائے کے نمونے دورِ خلافتِ راشدہ میں دیکھے۔ یہ نظام خالقِ کائنات کا اپنے آخری رسول ﷺ کو دیا ہوا ہے‘ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو مخاطب کر کے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَکَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَلَا الۡاِیۡمَانُ وَلٰکِنۡ جَعَلۡنٰہُ نُوۡرًا نَّہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّکَ لَتَہۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۵۲﴾﴾ (الشوریٰ)

''(اے نبی ﷺ! جیسے ہم پہلے رسولوں کی طرف وحی کرتے رہے ہیں) اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے ایک روح اپنے امر میں سے۔ آپ کو معلوم نہ تھا کہ شریعت کے احکام کیا ہوتے ہیں اور ایمان کی تفاصیل کیا ہیں‘ لیکن ہم نے اپنے کلام کو وہ نور بنایا ہے جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں جسے چاہیں ہدایت عطا کرتے ہیں۔ اور اب آپ (اس ہدایت کی بدولت) لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی دے رہے ہیں۔''

اس ہدایت کو اللہ تعالیٰ نے نازل ہی اس لیے کیا ہے کہ اب اس کے تحت نوعِ انسانی کے تمام معاملات چلائے جائیں اور پہلے جو ضابطے اُس نے اپنے رسولوں کو دے کر بھیجے تھے وہ بھی اسی کے تابع ہو جائیں۔ چنانچہ فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (الصف:۹)

’’وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول ﷺ کو کامل ہدایت اور دین الحق دے کر تاکہ اسے پورے نظامِ زندگی پر غالب کر دے۔‘‘

اور فرمایا:

﴿قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝۲۹﴾ (التوبۃ)

’’(اے آخری رسول ﷺ کے ماننے والو!) تمہاری جنگ جاری رہنی چاہیے ان سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر‘ اور نہ حرام قرار دیتے ہیں ان چیزوں کو جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے‘ اور نہ قبول کرتے ہیں دینِ حق کی تابع داری کو‘ ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی تھی‘ یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں اور چھوٹے (تابع) بن کر رہیں۔‘‘

یعنی اپنے دین کو مذہب بنا لیں‘ اپنے عقائد و عبادات اور رسومات کو جاری رکھیں‘ لیکن اجتماعی معاملاتِ انسانی میں ان کو دین الحق کے نظام کے تحت زندگی گزارنا ہوگی۔ یہی وہ دین الحق اور الہدیٰ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا:

((قَدْ تَرَكْتُ فِیْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ: كِتَابَ اللّٰهِ)) (صحیح مسلم)

’’اور میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑ لو گے تو اس کے بعد کبھی گمراہ نہیں ہوگے‘ وہ کتاب اللہ ہے!‘‘

یہی ہے جس کی اہمیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اُمّت کو بصراحت آگاہ فرما دیا:

((عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: ((اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ))، قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: ((كِتَابُ اللّٰهِ، فِیْهِ نَبَاُ مَا قَبْلَكُمْ ، وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ،

وَحُكْمُ مَا بَیْنَكُمْ، هُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْهَزْلِ، مَنْ تَرَكَهٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ ، وَمَنِ ابْتَغَی الْهُدٰی فِیْ غَیْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ ، وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِیْنُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِیْمُ ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ، هُوَ الَّذِیْ لَا تَزِیْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ، وَلَا یَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا یَخْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ، وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُهٗ، هُوَ الَّذِیْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰی قَالُوْا: ﴿اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ﴾ مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ، وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ، وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ، وَمَنْ دَعَا اِلَیْهِ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ)) (رواہ الترمذی والدارمی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب ایک بہت بڑا فتنہ برپا ہوگا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس سے نکلنے کا ذریعہ کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کتاب اللہ! اس میں خبریں ہیں ان کی بھی جو تم سے پہلے ہو گزرے اور تمہارے بعد والوں کی بھی‘ اور تمہارے اختلافات کے فیصلے موجود ہیں۔ یہ فیصلہ کن کتاب ہے‘ کوئی یاوہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی اس سے بے اعتنائی کرے گا غرورِ نفس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے پیس کر رکھ دے گا‘ اور جو کوئی اس کے علاوہ کہیں سے ہدایت ڈھونڈے گا اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دے گا۔ اور یہی اللہ کی مضبوط رسّی ہے‘ اور یہی پُرحکمت نصیحت ہے‘ اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔ اس میں خواہشات ٹیڑھ پیدا نہیں کر سکتیں‘ زبان کا لوچ اس میں التباس پیدا نہیں کر سکتا اور علماء اس سے سیری حاصل نہیں کر سکتے‘ اور بار بار پڑھنے سے اس پر بوسیدگی طاری نہیں ہو سکتی‘ اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جوں ہی جنوں نے اسے سنا تو یہ کہنے میں کوئی دیر نہیں کی کہ ’’ہم نے بڑا ہی دل پسند قرآن سنا ہے‘ جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے‘ پس ہم اس پر ایمان لے آئے‘‘۔ جو کوئی اس کی بنیاد پر بات کرے گا وہ سچ کہے گا‘ اور جو اس کے مطابق عمل کرے گا اجر پائے گا‘ اور جو اس کے مطابق فیصلے کرے گا عدل کرے گا‘ اور جو دوسروں کو اس کی طرف بلائے گا وہ لازماً سیدھی راہ پا لے گا۔‘‘

اصل میں یہ سب صفات خود اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے بارے میں قرآن مجید میں بیان کی ہیں‘ جن کو جوامع الکلم کی صورت میں رسول اللہ ﷺ نے یہاں جمع کر دیا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ﴾ (الانبیاء:۱۰)

’’لوگو! ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کر دی ہے‘ اس میں تمہارا ذکر موجود ہے۔‘‘

اس کی عظمت سورۃ الواقعہ میں بایں الفاظ بیان کی گئی ہے:

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾﴾

’’پس نہیں! قسم ہے مجھے ان مقامات کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں۔ اور یقیناً یہ بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانو! یقیناً یہ بہت عزت والا قرآن ہے۔ ایک چھپی ہوئی کتاب میں۔ اسے چھو نہیں سکتے مگر وہی جو بالکل پاک ہیں۔ اس کا اتارا جانا ہے ربّ العالمین کی جانب سے۔ تو کیا تم لوگ اس کتاب کے بارے میں مداہنت کر رہے ہو؟ اور تم نے اپنا نصیب یہ ٹھہرا لیا ہے کہ تم اس کو جھٹلا رہے ہو! تو کیوں نہیں‘ جب جان حلق میں آ (کر پھنس) جاتی ہے۔ اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو۔ اور ہم تمہارے مقابلے میں اس سے قریب تر ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں پاتے۔ تو اگر تم کسی کے اختیار میں نہیں ہو‘ تو اس (جان) کو لوٹا کیوں نہیں لیتے اگر تم سچے ہو؟‘‘

اور فرمایا:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾ (المائدۃ)

’’(اے ہمارے رسول ﷺ!) ان کے درمیان فیصلے کیجیے اس (شریعت) کے مطابق جو کہ اللہ نے اتاری ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے اور ان سے ہوشیار رہیے‘ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ آپ کو ان میں سے کسی چیز سے بچلا دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی طرف نازل کی ہیں۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو جان لیجیے کہ اللہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دینا چاہتا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ لوگوں میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ کیا یہ جہالت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ سے کون بہتر ہے فیصلے کرنے میں ان لوگوں کے لیے جو (اس کتاب پر) یقین رکھنے والے ہیں!‘‘

یہی ہے وہ وراثت جو اللہ کے رسول ﷺ اپنی اُمت کے لیے چھوڑ کر گئے‘ جس کا احساس دلایا ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ ؓ نے اس طریقہ سے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ اَنَّهٗ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ: اَرَاكُمْ هٰهُنَا وَ مِيْرَاثُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُقْسَمُ فِی الْمَسْجِدِ! فَذَهَبُوْا وَانْصَرَفُوْا وَقَالُوْا: مَارَاَيْنَا شَيْئًا يُقْسَمُ، رَاَيْنَا قَوْمًا يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ، قَالَ: فَذٰلِكُمْ مِيْرَاثُ نَبِيِّكُمْ))

’’حضرت ابوہریرہ ؓ ایک دن بازار تشریف لے گئے اور لوگوں سے فرمایا کہ میں تم کو یہاں دیکھ رہا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی میراث مسجد میں بانٹی جا رہی ہے! لوگ فوراً مسجد میں گئے اور پھر واپس آ گئے‘ اور آ کر کہنے لگے کہ ہم نے تو وہاں کوئی چیز تقسیم ہوتے نہیں دیکھی‘ وہاں پر تو ہم نے دیکھا کہ کچھ لوگ قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔ اس پر حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا: یہی تو تمہارے نبی ﷺ کی میراث ہے!‘‘

یہ ہے وہ وراثت ہے جو اُمتوں کو سپرد کی جاتی ہے لیکن وہ اس کی قدر نہیں کرتیں اور ان کو صرف مقدس کتاب کے طور پر پاس رکھتی ہیں اور ان سے ہدایت لینے کی نوبت نہیں آتی۔ جیسے آج کل اُمّتِ مُسلمہ کی اکثریت اگر قرآن پڑھتی بھی ہے تو بغیر سمجھے صرف حصولِ ثواب کے لیے‘

بلکہ آج کل تو وہ صرف ایصالِ ثواب کی کتاب رہ گئی ہے۔ حالانکہ اس کتاب میں یہ کہیں نہیں لکھا ہوا' بلکہ فرمایا گیا ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٩﴾﴾ (ص)

''یہ ایک بابرکت کتاب ہے جو (اے نبیﷺ!) ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور عقل منداس سے نصیحت حاصل کریں۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾﴾ (یٰسٓ)

''اور ہم نے اپنے رسولؐ کو شعروشاعری نہیں سکھائی اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے۔ یہ تو ایک یاددہانی اور واضح قرآن ہے' تاکہ وہ خبردار کرے (اس کے ذریعے) ان کو جو زندہ ہیں اور نہ ماننے والوں پر حُجت قائم ہو جائے۔''

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' اور یہ تو اس کی برکت ہے کہ پڑھنے پر ثواب ملتا ہے۔ اصلاً تو یہ ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب اللہ نے عطا کی تھی اس کے بارے میں بھی قرآن مجید میں یہ ارشاد موجود ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿٥٣﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿٥٤﴾﴾ (المؤمن)

''ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو بھی ہدایت عطا فرمائی اور پھر اس کتابِ ہدایت کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔ اس میں ہدایت اور یاددہانی تھی اہلِ عقل کے لیے۔''

لیکن یہی اُمتی پھر یہاں تک پہنچ جاتے ہیں جو نقشہ کھینچا ہے قرآن مجید نے اُس وقت کے یہودیوں کا:

﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ

وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦٩﴾﴾ (الاعراف)

''پھر ان کے بعد ایسے (ناخلف) جانشین کتاب کے وارث بنے جو اس دنیا کے سازوسامان ہی کو حاصل کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم کو تو بخش ہی دیا جائے گا۔ اور اگر ایسا ہی اور سامان بھی ان کو دے دیا جائے تو لپک کر لیں گے۔ کیا ان سے پختہ عہد نہ لیا گیا تھا کتاب (تورات) کے بارے میں کہ وہ اللہ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کریں گے مگر حق' اور انہوں نے پڑھ بھی لیا جو کچھ اس میں درج تھا۔ اور آخرت کا گھر تو بہت بہتر ہے ان کے لیے جو تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے!''

اس اُمت کے بارے میں بھی فرمادیا:

﴿وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٣١﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٣٢﴾﴾ (فاطر)

''اور (اے نبیﷺ!) ہم نے جو وحی بھیجی ہے آپ کی طرف کتاب میں سے' وہی حق ہے' تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے اُس (کتاب) کی جو اس سے پہلے موجود ہے۔ پھر ہم نے کتاب کا وارث بنایا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چُن لیا' تو ان میں سے کچھ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں' اور ان میں کچھ درمیانی راہ پر چلنے والے ہیں' اور ان میں سے کچھ نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں' اللہ کی توفیق سے۔ یہی بہت بڑی فضیلت ہے۔''

آسمانی کتابوں کے وارث اصل میں ان کے بارے میں شک میں پڑ جاتے ہیں' پھر وہ صرف نام کتاب کا لیتے ہیں مگر ان کے مندرجات پر ان کا یقین نہیں رہتا' کیونکہ زندگی کی رہنمائی کے لیے ان کو اختیار نہیں کرتے۔ جیسے آج کل اسلامی ممالک میں ہو رہا ہے کہ کتاب کی حد تک تو مانتے ہیں کہ اللہ کی ارسال کردہ ہے' لیکن پورا نظامِ زندگی مغرب کی تقلید میں سیکولرازم پر چلا رہے ہیں۔ کتاب کو اس زمانے میں قابلِ عمل قرار نہیں دیتے' بلکہ اپنی مرضی سے اس کے احکام کو بدل بھی دیتے ہیں۔ جیسے فرمایا:

﴿وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝١٤﴾ (الشوریٰ)

''اور انہوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا' آپس میں ضدم ضدا کے باعث۔ اور اگر ایک بات آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے ایک وقت معین کے لیے طے نہ پا چکی ہوتی تو ان کے مابین (اختلافات کا) فیصلہ چکا دیا جاتا۔ اور جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے ان کے بعد وہ اس کے متعلق ایک خلجان آمیز شک میں مبتلا ہیں۔''

ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کیفیتوں سے نکل کر اُمّتِ مسلمہ قرآن حکیم کے نزول کے مقصد کو اختیار کرے اور اس کی ہدایت کو اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں اختیار کرے' کیونکہ یہی کتاب ہے جو سیدھی راہ کی طرف رہنمائی دینے والی ہے اور اس کے نزول کا مقصد بھی تمام انسانیت کے لیے ہدایت ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ (بنی اسراءیل:۹)

''بے شک یہ قرآن اس راہ کی طرف ہدایت دینے والا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔''

اسی بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ)) (رواہ البخاری)

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن مجید کا علم سیکھے اور اسے دوسروں کو سکھائے۔''

رمضان المبارک کی فضیلت میں ایک حدیث وارد ہوئی ہے:

((لَوْ يَعْلَمُ الْعِبَادُ مَا فِيْ رَمَضَانَ لَتَمَنَّتْ اُمَّتِيْ اَنْ تَكُوْنَ السَّنَةُ كُلُّهَا رَمَضَانَ)) (مجمع الزوائد للهيثمی)

''اگر لوگ رمضان کی فضیلت کو جانتے تو میری امت یہ خواہش کرتی کہ سارا سال رمضان ہی رہے۔''

قرآن مجید کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((يَا اَهْلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ، وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ آنَاءِ

اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَافْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ))

(شعب الایمان للبیهقی)

''اے قرآن والو! قرآن کو سہارا نہ بنا لینا' بلکہ اسے پڑھو جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے دن اور رات کی گھڑیوں میں' اور اسے پھیلاؤ' اور اسے اچھی آواز سے پڑھو' اور اس میں غور و فکر کرو' تاکہ فلاح پاؤ۔''

اور یہ کہ:

((اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ)) قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا جِلَاءُهَا؟ قَالَ: ((كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ)) (رواہ البیهقی)

''بے شک یہ دل زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہے پر پانی پڑے تو زنگ آلود ہو جاتا ہے''۔ پوچھا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس کا صیقل کیا ہے؟ فرمایا:''موت کی کثرت سے یاد اور تلاوتِ قرآن مجید۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

ألا لا خير فى قراءةٍ ليس فيه تدبر، ألا لا خير فى عبادةٍ لا فقه فيها

''خبردار! اُس تلاوت میں کوئی خیر نہیں جس میں تدبر نہ ہو' خبردار! اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جس میں سمجھ بوجھ نہ ہو۔ (یعنی عبادت کرنے والے کو سمجھ ہی نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے)۔''

سورۃ القمر میں یہ آیت چار مرتبہ دہرائی گئی:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝﴾

''ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو یاد دہانی کے لیے' تو ہے کوئی یاد دہانی حاصل کرنے والا!''

اور فرمایا:

﴿اَلرَّحْمٰنُ ۝١ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝٢ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝٣ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝٤﴾

''رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ اُسی نے انسان کو بنایا۔ اُس کو بیان سکھایا۔''

رحمٰن کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر قرآن مجید اور سب سے افضل مخلوق انسان ہے' اور اسے جو کچھ دیا گیا ہے اس میں بہترین قوت بیان کی خوبی ہے۔ یہی خوبی جب کلام اللہ کو بیان کرنے

میں لگے تو بہترین ہے۔

اللہ کرے ہم قرآن حکیم کی طرف پلٹیں اور اس کے حقوق ادا کریں‘ اسے پڑھیں‘ یاد کریں‘ سمجھیں‘ عمل کریں اور آگے پہنچائیں اور اس کے نتیجے میں اس دعا کے مصداق بن جائیں جو قرآن مجید کی تلاوت مکمل کرنے پر مانگی جاتی ہے:

((اَللّٰھُمَّ آنِسْ وَحْشَتَنَا فِیْ قُبُوْرِنَا، اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنَا بِالْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ، وَاجْعَلْہُ لَنَا اِمَامًا وَّنُوْرًا وَھُدًی وَّرَحْمَۃً، اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْنَا مِنْہُ مَا نَسِیْنَا وَعَلِّمْنَا مِنْہُ مَا جَھِلْنَا، وَارْزُقْنَا تِلَاوَتَہٗ آنَاءَ اللَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّھَارِ، وَاجْعَلْہُ لَنَا حُجَّۃً یَّا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ))آمین!

’’اے اللہ! اس قرآن کو ہماری قبروں کی وحشت میں ہمارا ساتھی بنا دے۔ اے اللہ! اس قرآن کے ذریعہ ہم پر اپنی رحمت فرما اور اسے ہمارا امام بنا دے کہ اس کی پیروی کریں۔ اسے ہمارے لیے نور بنا دے کہ اس کی روشنی میں اپنی منزل کا تعین کریں۔ اسے ہدایت بنا دے کہ اس کی راہ اختیار کریں۔ اسے رحمت بنا دے کہ جس کے سہارے آخرت میں کامیابی حاصل ہو۔ اے اللہ! ہم اس میں سے جو کچھ بھولے ہوئے ہیں وہ ہمیں یاد کروا دے اور جس کا علم نہیں ہے اس کا علم ہمیں عطا فرما دے۔ اور اس کی پیروی کی توفیق دے تلاوت و عمل میں دن رات کے اوقات میں‘ اور اس پر عمل کے ذریعے اسے ہمارے حق میں سفارش کرنے والا بنا دے۔ اے سارے جہانوں کے مالک۔ آمین!‘‘

❁❁❁

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 200 روپے   اشاعت عام: 75 روپے

روزے کا مقصد اور طبّی مسائل

پروفیسر ڈاکٹر نجیب الحق

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں زندگی میں ایک مرتبہ پھر رمضان المبارک کی برکات سے مستفیض ہونے کا موقع عطا فرمایا۔ اُسی کی توفیق سے ہم اِس ماہِ مقدس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں روزے کے مقصد اور اس کی حقیقت سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

روزہ عام طور پر مخصوص وقت میں کھانے پینے سے اجتناب کو کہتے ہیں۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس دوران حلال چیزوں سے بھی پرہیز کرتا ہے‘ لیکن افسوس کہ جن اعمال کو اسی اللہ نے حرام قرار دیا ہے انہیں روزے کے دوران کرگزرتا ہے۔ ایسے روزے کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ اِلَّا الْجُوْعُ، وَرُبَّ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ اِلَّا السَّهَرُ)) (دارمی‘مشکوٰۃ)

’’کتنے ہی روزہ دار ہیں کہ ان کو اپنے روزے سے سوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا (کیونکہ وہ روزے میں بھی بدگوئی‘ بدنظری اور بدعملی نہیں چھوڑتے) اور کتنے ہی رات میں قیام کرنے والے ہیں جن کو اپنے قیام سے ماسوا جاگنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔‘‘

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ)) (رواہ البخاری وابوداؤد والترمذی)

’’جس شخص نے روزے کی حالت میں بے ہودہ باتیں (مثلاً: غیبت‘ بہتان‘ تہمت‘ گالی گلوچ‘ لعن طعن‘ غلط بیانی وغیرہ) اور گناہ کا کام نہیں چھوڑا‘ تو اللہ تعالیٰ کو کچھ حاجت

نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے رکھے۔‘‘ (بخاری)

روزے کا مقصد تقویٰ حاصل کرنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾﴾ (البقرة)

’’اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ اختیار کرنے والے بن جاؤ۔‘‘

اور یہ مقصد تب ہی حاصل ہوگا جب ہم روزہ اس طریقے کے مطابق رکھیں گے جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے ہمیں بتایا ہے۔

رمضان اور قرآن

قرآن حکیم رمضان المبارک میں نازل ہوا‘ یہی اس مہینے کی برکت کا سبب ہے۔ اس میں لیلۃ القدر ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ، وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) (رواہ البخاری ومسلم)

’’جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خوداحتسابی کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیے جائیں گے‘ اور جو رمضان (کی راتوں) میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لیے) ایمان اور خود احتسابی کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے‘ اور جس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا ایمان اور خود احتسابی کے ساتھ اُس کے بھی پچھلے تمام گناہ معاف کردیے جائیں گے۔‘‘

یہ موقع ہے کہ ہم اس مہینے میں قرآن کی طرف خصوصی توجہ دیں۔ اسے سمجھنے کا بندوبست کریں اور اس پر عمل کی کوشش کریں۔

رمضان میں ہر نیک عمل کا ثواب بڑھا چڑھا کر دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ ، اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهِ ، يَدَعُ

شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ اَجْلِیْ ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ ، فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ ، وَلَخُلُوْفُ فِیْهِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ))

(صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام)

''ابنِ آدم کا ہر عمل اس کے لیے کئی گنا بڑھایا جاتا ہے' یہاں تک کہ ایک نیکی دس سے سات سو گنا تک بڑھائی جاتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزے کا معاملہ اس سے جدا ہے' کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔ وہ اپنی جنسی خواہش اور کھانا پینا میری خاطر چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی افطاری کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔ اور روزہ دار کے منہ سے آنے والی بُو اللہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے پاکیزہ تر ہے۔'' (متفق علیہ)

پس ہمیں اس مہینے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس کو لہو ولعب میں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

روزے کی حقیقت (روزے کے حقوق)

حضرت ابوعبیدہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ:

((اَلصِّیَامُ جُنَّةٌ مَالَمْ یَخْرِقْهَا)) (سنن النسائی)

''روزہ ڈھال ہے جب تک (روزہ دار) اس میں سوراخ نہ کر دے۔''

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''روزہ ڈھال ہے کہ نفس و شیطان کے حملوں سے بھی بچاتا ہے' گناہوں سے بھی باز رکھتا ہے' اور قیامت میں دوزخ کی آگ سے بھی بچائے گا۔ پس جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو نہ ناشائستہ بات کرے' نہ شور مچائے۔ پھر اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا کرے تو کو کہہ دے کہ: میں روزے سے ہوں (اس لیے تجھ کو جواب نہیں دے سکتا' کہ روزہ اس سے مانع ہے)۔'' (بخاری و مسلم)

اس حدیث میں جن برے اعمال کا ذکر کیا گیا ہے وہی اس ڈھال کے سوراخ ہیں جن سے روزہ کی افادیت اسی طرح متاثر ہوتی ہے جیسے ڈھال میں سوراخ ہو جائے تو وہ بیکار ہو جاتی ہے اور اس سے بچاؤ کا کام نہیں لیا جا سکتا۔ روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں۔ روزے میں آنکھ' زبان' کان' ہاتھ' پاؤں اور دیگر اعضاء کے گناہوں سے بچا جائے۔ یہی حقیقی

روزہ ہے جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے پورے اجر کی امید کی جا سکتی ہے اور جو زندگی میں تبدیلی کا باعث بھی بنے گا۔

آنکھ کا روزہ

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْکٰی لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ ﴾ (النور)

''(اے نبی ﷺ) مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں' یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔''

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

''نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہر میں بجھا ہوا تیر ہے۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے نظرِ بد کو ترک کر دیا' اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ایمان نصیب فرمائے گا کہ اس کی حلاوت کو وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔'' (رواہ الحاکم)

کان کا روزہ

حرام اور مکروہ چیزوں کے سننے سے پرہیز رکھے' کیونکہ جو بات زبان سے کہنا حرام ہے اس کا سننا بھی حرام ہے۔

زبان کا روزہ

زبان کی حفاظت کرے اور اس کو بے ہودہ باتوں' جھوٹ' غیبت' چغلی' جھوٹی قسم اور لڑائی جھگڑے سے محفوظ رکھے۔ اسے خاموشی کا پابند بنائے اور ذکر و تلاوت میں مشغول رکھے۔ اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۲ ﴾ (الحجرات)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں' اور تجسس نہ کیا کرو' اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی

ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو‘ تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو‘ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔‘‘

کتنی بدقسمتی ہوگی اگر ہم رمضان میں بھی اس سے اجتناب نہ کرسکیں!

منہ اور پیٹ کا روزہ

اِفطار کے وقت حلال کھانے میں بھی بسیار خوری نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ’’پیٹ سے بدتر کوئی برتن نہیں‘ جس کو آدمی بھرے۔‘‘ (احمد والترمذی وابن ماجہ والحاکم)

اگر شام کو افطاری میں دن بھر کی ساری کسر پوری کرلی تو روزہ سے شیطان کو مغلوب کرنے اور نفس کی شہوانی قوت توڑنے کا مقصد حاصل کرنا مشکل ہوگا۔ افطار کے وقت پیٹ میں کوئی مشتبہ چیز نہ ڈالی جائے‘ کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں کہ دن بھر تو حلال سے روزہ رکھا اور شام کو حرام چیز سے روزہ کھولا یا روزہ کھولتے ہی حرام پینے یا کھانے میں مشغول ہوجائے۔

افطار کے وقت روزہ دار حالت خوف اور امید کے درمیان مضطرب رہے کہ نہ معلوم اس کا روزہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوا یا مردُود! درحقیقت یہی کیفیت ہر عبادت کے بعد ہونی چاہیے اور مقدور بھر کوشش کے بعد اللہ پر اچھا گمان رکھا جائے۔

دل کا روزہ

دل کو دُنیوی افکار سے پاک رکھیں۔ پوری توجہ ربّ العزت ہی کی طرف ہو۔ ماسوا اللہ سے اس کو روک دیا جائے‘ البتہ وہ دُنیا جو دین کے لیے مقصود ہو وہ توشۂ آخرت ہے۔ قلب کی حفاظت کے لیے طعام‘ کلام‘ نیند اور اختلاط کی کثرت سے پرہیز کیا جائے۔ دل کی طرف جانے والے راستوں کی نگہبانی کی جائے۔ یعنی آنکھ‘ کان‘ زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝۳۶﴾ (بنی اسرائیل)

’’کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ‘ کان اور دل سب ہی کی بازپرس ہونی ہے۔‘‘

ہاتھ‘ پاؤں وغیرہ کا روزہ

ہاتھ‘ پاؤں اور دیگر اعضاء کو حرام اور مکروہ کاموں سے محفوظ رکھا جائے۔ جو کام کریں‘ پہلے سوچ لیں کہ یہ قرآن وسنت کے خلاف تو نہیں ہے! ایسے ہی روزے کے بارے میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت فرمایا کہ ’’جس نے رمضان کا روزہ رکھا‘ اور اس کی حدود کو پہچانا‘ اور جن چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے ان سے پرہیز کیا‘ تو یہ روزہ اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہوگا۔‘‘ (صحیح ابنِ حبان‘ بیہقی)

ایک اہم اور قابلِ توجہ پہلو رمضان کی آخری رات ہے۔ اس کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’بخشش کی جاتی ہے میری اُمّت کی رمضان کی آخری رات میں۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ لیلۃ القدر ہوتی ہے؟ فرمایا: ’’نہیں‘ بلکہ کام کرنے والے کی مزدوری اس کا کام پورا ہونے پر ادا کردی جاتی ہے۔‘‘ یعنی جب کوئی پورے اہتمام سے حقیقی روزہ رکھے تو رمضان المبارک کی آخری شب اجرت اور انعام کے طور پر اس کی بخشش کر دی جاتی ہے۔ ہمیں لیلۃ القدر کی فضیلت تو یاد رہتی ہے اور ہونی بھی چاہیے‘ لیکن افسوس کہ آخری رات عبادات کی بجائے فضولیات اور خرافات میں گزار دی جاتی ہے۔ اس رات کو ضائع نہ کیا جائے‘ معلوم نہیں پھر یہ نصیب ہوتی ہے یا نہیں!

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں روزے کی حقیقت اور اس کے مقصد کو سمجھنے کا فہم عطا فرمائے۔ ایسا روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے جو تقویٰ کے حصول کا باعث ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے روزے قبول فرمائے اور ہمیں ان لوگوں میں شامل کرے جن کو روزے رکھنے پر بخشش کی بشارت دی گئی ہے۔ آمین یاربّ العالمین!

طبی مسائل اور روزے پر اثرات

	طبی مسئلہ	روزے پر اثرات
1	پٹھوں یا رگوں میں انجکشن لگانا	روزہ نہیں ٹوٹتا
2	طاقت کے انجکشن یا ڈرپ لگانا	جمہور علماء کی رائے میں روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اسے روزے کی روح کے خلاف سمجھتے ہیں۔ بعض روزہ ٹوٹنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔

3	شوگر کی بیماری	روزہ رکھا جاسکتا ہے۔ڈاکٹر کے مشورے سے دوا کی مقدار اور اوقات میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔
4	شوگر کے انجکشن (انسولین) لگوانا	روزہ نہیں ٹوٹتا اور ڈاکٹر کے مشورے سے انجکشن کی مقدار اور اوقات میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔شوگر انتہائی کم ہونے کا خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھا جائے۔
5	دل اور دوسری بیماریوں میں زیرزبان گولی کا استعمال	روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔دل کی بیماری زیادہ شدید ہو تو روزہ نہ رکھا جائے۔
6	گردے کی پتھری	درد شدید ہو تو قضا کیا جاسکتا ہے۔
7	گردے کی دائمی بیماری/ ڈائلیسز	روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔یہی صورت ڈائلیسز کی بھی ہے۔
8	حاملہ یا دودھ پلانے والی خواتین	روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے' رکھنے کے لیے ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔
9	سانس کی تکلیف (دمہ) کے لیے انہیلر کا استعمال	روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔
10	عام یرقان/کالا یرقان	چند مخصوص صورتوں کے علاوہ روزہ رکھا جاسکتا ہے۔بہتر ہوگا کہ ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔
11	آپریشن کروانا	روزہ نہیں ٹوٹتا۔آپریشن ضروری نہ ہو تو بہتر ہے رمضان کے بعد کرائیں۔
12	انڈوسکوپی' برانکوسکوپی' یا ناک میں خوراک کی نالی ڈالنا	روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔
13	پیشاب کی نالی میں catheter ڈالنا	روزہ نہیں ٹوٹتا۔
14	انگلی یا آلے سے مقعد کے اندرونی حصے کا معائنہ کرنا	روزہ ٹوٹ جاتا ہے' بعض علماء نہ ٹوٹنے کا فتویٰ بھی دیتے ہیں۔
15	حقنہ/ انیما یا بتی	ان کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔
16	اندام نہانی کا معائنہ (PV)	روزہ ٹوٹ جاتا ہے' بعض علماء نہ ٹوٹنے کا فتویٰ بھی دیتے ہیں۔
17	جلد پر دوا لگانا (مرہم پٹی وغیرہ)	روزہ نہیں ٹوٹتا۔
18	کان میں دوائی ڈالنا	کان کا پردہ سالم ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ پردے میں سوراخ ہو تو ٹوٹ جاتا ہے۔
19	آنکھ میں دوا ڈالنا	مرہم ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا' البتہ بعض علماء قطرے ڈالنے پر ٹوٹنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ بہتر ہے ناک کی جانب آنکھ کو دبا کر قطرے حلق میں داخل ہونے سے روک لیے جائیں۔
20	ناک کے اندر دوا ڈالنا	روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔
21	مریض کو خون دینا	روزہ نہیں ٹوٹتا' لیکن بہتر ہے افطاری کے بعد دیا جائے تاکہ کمزوری نہ ہو۔
22	نفسیاتی بیماریوں میں	عمومی طور پر رکھا جاسکتا ہے۔ شدید بیماری میں ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔

ماھنامہ "میثاق" لاھور

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے قرآنی فکر کا ترجمان' ایک علمی' دعوتی اور تربیتی رسالہ!

صرف آپ ہی کے زیرِ مطالعہ کیوں؟

وقت اور حالات کی اشد ضرورت ہے کہ اسے ایک مشن سمجھ کر واعظین و مربّین' تعلیمی اداروں' لائبریریوں' مکتبہ جات اور ہر گھر و فرد اور خاص طور پر الاقرب فالاقرب کی بنیاد پر اپنے دوست' احباب اور اعزہ واقرباء تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

یہ آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا!

لقمان حکیم کی وصیتیں (۳)

مقصود الحسن فیضی

چوتھی وصیت: نماز قائم کرو

نماز کی شرائط‘ آداب اور ارکان وواجبات کے ساتھ اس کی ادائیگی پر مداومت کرو۔

عقیدے کی تاکید کے بعد حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کی توجہ عبادات کی طرف مبذول کرائی۔ یہ وصیت عبادات خصوصاً نماز سے متعلق ہے۔ بطور خاص یہاں نماز کا ذکر اس لیے کیا گیا کیونکہ یہ متعدد قسم کی عبادات کی جامع ہے۔ اس وصیت میں والدین کے لیے یہ ہدایت ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت نماز کے اہتمام پر کریں۔ نماز کی محبت اولاد کے دلوں میں بچپن ہی سے ڈالیں‘ اور انہیں یہ اچھی طرح سکھائیں کہ پانچ وقت کی نماز ان پر اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم حق ہے۔ یہ مسلمان والدین کی بہت بڑی ذمہ داری ہے‘ لیکن موجودہ دور میں چونکہ وہ خود ہی نماز کی پابندی نہیں کرتے اس لیے اپنی اولاد کی بھی تربیت اس عظیم عبادت پر نہیں کر پاتے۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو نمازی بنانے کی بڑی فکر کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ صرف اپنی اولاد کو نماز کی تاکید فرماتے بلکہ مزید آگے بڑھ کر ان کے نمازی رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے تھے۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝۴۰﴾ (ابراھیم)

”اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنادے‘ اور اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما۔“

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذکر میں ہے کہ وہ بھی نماز کی ادائیگی پر اپنے اہل وعیال کی تربیت فرماتے تھے:

﴿وَکَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ ۠ وَکَانَ عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّا ۝۵۵﴾ (مریم)

”اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے‘ اور وہ اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے۔“

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے نبی کریم ﷺ کو بھی یہی حکم دیا ہے:

﴿وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا ۭ لَا نَسْــَٔـلُکَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُکَ ۭ وَالْعَاقِبَۃُ لِلتَّقْوٰی ۝۱۳۲﴾ (طٰہٰ)

”اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجیے اور خود بھی اس پر ڈٹ جایئے‘ ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے (بلکہ) ہم ہی آپ کو رزق دیتے ہیں‘ اور اچھا انجام تقویٰ (والوں) کا ہے۔“

نبی کریم ﷺ نماز کے بارے میں اپنے اہل خانہ کی کس قدر خبر گیری کرتے تھے‘ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے اپنی خالہ اُمّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس رات گزاری۔ جب رسول اللہ ﷺ رات کو گھر تشریف لائے تو آپؐ نے پوچھا: ((أَصَلَّى الْغُلَامُ؟)) کیا لڑکے نے نماز پڑھ لی؟ انہوں نے کہا: ہاں![26] عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو نبی مکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے‘ ابھی نابالغی کی عمر کے تھے اور صرف ایک رات کے لیے اپنی خالہ کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے‘ مگر ان کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا بچے نے نماز پڑھ لی!

مقامِ عبرت ہے کہ اگر اللہ کے انبیاء علیہم السلام اپنی اولاد کے بارے میں نماز کی فکر اس قدر رکھتے تھے تو ہمیں اپنی اولاد کی نماز کے بارے میں کتنا فکر مند ہونے کی ضرورت ہے! یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا﴾ (التحریم:۶)

”اے ایمان والو! خود کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔“

امام ضحاک اور امام مقاتل رحمہما اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

((حَقٌّ عَلَى الْمُسْلِمِ أَنْ يُعَلِّمَ أَهْلَهُ ، مِنْ قَرَابَتِهِ وَإِمَائِهِ وَعَبِيدِهِ ، مَا فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ، وَمَا نَهَاهُمُ اللّٰهُ عَنْهُ))[27]

''مسلمان پر حق بنتا ہے کہ اپنے گھر والوں یعنی اپنے اہل وعیال اور اپنے غلام لونڈیوں کو اللہ کے مقرر کردہ فرائض اور اس کی منع کردہ چیزوں کی تعلیم دے۔''

نبی مکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِينَ ، وَإِذَا بَلَغَ عَشْرَ سِنِينَ فَاضْرِبُوهُ عَلَيْهَا)) (۲۸)

''بچہ جب سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دو‘ اور جب دس سال کا ہو جائے (اور نماز نہ پڑھے) تو اس پر اسے مارو۔''

یعنی نماز نہ پڑھنے پر سزا دینے کی نوبت بھی آ جائے تو ایسا بھی کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ تو یہاں تک فرمایا کرتے تھے:

"يُعَلَّمُ الصَّبِيُّ الصَّلَاةَ إِذَا عَرَفَ يَمِينَهُ مِنْ شِمَالِهِ" (۲۹)

''بچہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے پہچان لے تو اسے نماز سکھائی جائے۔''

اولاد کو صرف نماز کا حکم دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہیں نماز کی عملی تربیت بھی دینی چاہیے۔ اسی طرح فرض نماز مسجد میں باجماعت پڑھنے کی تاکید کرنی چاہیے‘ جبکہ سنتیں اور نوافل کو گھر میں ادا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا قَضَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ فِي مَسْجِدِهِ ، فَلْيَجْعَلْ لِبَيْتِهِ نَصِيبًا مِنْ صَلَاتِهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِي بَيْتِهِ مِنْ صَلَاتِهِ خَيْرًا)) (۳۰)

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں اپنی (فرض) نماز مکمل کر لے تو اپنے گھر کے لیے بھی نماز کا کچھ حصہ (سنن و نوافل) باقی چھوڑ دے‘ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ گھر میں نماز پڑھنے کی وجہ سے اس میں خیر عطا کرے گا۔''

سنتیں اور نوافل گھر میں ادا کرنے میں ایک بہت بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے بچے نماز کی عملی تربیت حاصل کرتے ہیں‘ کیونکہ یہ فطری بات ہے کہ بچے اپنے بڑوں کو جو کام کرتا دیکھتے ہیں وہی کام وہ بھی کرنے لگ جاتے ہیں۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے جو بہت ہی اہم ہے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل نکات سے لگایا جا سکتا ہے:

(۱) کلمہ شہادت کے بعد نماز اسلام کا سب سے افضل رکن ہے‘ جیسا کہ کئی ایک حدیثیں اس پر

دلیل ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ، وَالْحَجِّ ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ)) (۳۱)

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں‘ نماز قائم کرنا‘ زکاۃ دینا‘ حج کرنا‘ اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا:

((إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةُ اللّٰهِ، فَإِذَا عَرَفُوا اللّٰهَ ، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ.....)) (۳۲)

''تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہلِ کتاب ہیں‘ لہٰذا انہیں سب سے پہلے اللہ کی (خالص) عبادت کی دعوت دینا‘ جب وہ اللہ کو (صحیح معنوں میں) پہچان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔''

صرف یہی نہیں کہ نماز اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ایک رکن ہے بلکہ یہ دین کا اہم ترین ستون بھی ہے (یعنی اس کے بغیر دین کی چھت یا عمارت قائم نہیں رہ سکتی)۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل ؓ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ)) دین کا ستون نماز ہے۔ (۳۳)

(۲) نماز کو عبادات میں سب سے اونچا مقام حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ((وَاعْلَمُوا أَنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةَ)) ''اور جان لو کہ تمہارا سب سے بہترین عمل نماز ہے۔'' (۳۴)

اسی بنا پر اسلام میں داخل ہونے کے بعد بندے پر سب سے پہلے یہی عبادت فرض ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلام قبول کرنے والے کو سب سے پہلے نماز کی تعلیم دی جائے گی‘ جیسا کہ عہدِ نبویؐ میں صحابہ کرام ؓ کا طریقہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابو مالک اشجعی ؓ اپنے والدؒ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

كَانَ الرَّجُلُ إِذَا أَسْلَمَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ عَلَّمُوهُ الصَّلَاةَ (۳۵)

''نبی ﷺ کے زمانے میں جب کوئی مسلمان ہوتا تو صحابہ اسے نماز سکھایا کرتے تھے۔''

(۳) نماز کی اس عظیم اہمیت کے پیش نظر قیامت کے دن عبادات میں سے سب سے پہلا سوال نماز ہی کے متعلق ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں: مَیں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ العَبْدُ يَوْمَ القِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ ، فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ)) (۳۶)

''بلاشبہ قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔ اگر نماز درست ہوئی تو وہ فلاح پا جائے گا اور کامیاب ہوجائے گا' اور اگر نماز درست نہ ہوئی تو وہ ناکام ہوگا اور خسارہ پائے گا۔''

(۴) کامیابی کی سب سے پہلی سیڑھی نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢﴾ (المؤمنون)

''یقیناً وہ مومن فلاح پا گئے' جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع اختیار کرنے والے ہیں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٧٧﴾ (الحج)

''اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو (یعنی نماز پڑھو)' اپنے رب کی عبادت کرو اور خیر کے کام کرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔''

اسی لیے ہر اذان میں دو مرتبہ یہ جملہ دہرایا جاتا ہے: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہ آؤ کامیابی کی طرف! وہ شخص مکمل طور پر ناکام ہے جو نماز کو ضائع کرنے والا ہے۔ نماز کا چھوڑنا قیامت کے دن عذاب کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ اسی لیے کافر جب جہنم میں جائیں گے اور ان سے پوچھا جائے گا: ﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝٤٢﴾ (المدثر) ''کس گناہ کی وجہ سے تمہیں جہنم میں ڈالا گیا؟'' تو ان کا جواب ہوگا: ﴿لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝٤٣﴾ (المدثر) ''ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے۔'' یعنی دوسرے اسباب کے ساتھ ان کے جہنم میں جانے کا ایک سبب یہ بھی

ہوگا کہ وہ بے نماز تھے۔

نماز کی اہمیت اور اس کی عظمت کی ایک بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ اسے چھوڑنے اور ضائع کرنے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت بریدہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ((الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ)) ''ہمارے اور ان (کفار و مشرکین) کے درمیان عہد نماز ہے' پس جس نے نماز چھوڑ دی بلاشبہ اس نے کفر کیا۔''(۳۷)

(۵) نماز صرف اس امت کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء ؑ اور ان کے سچے پیروکار نماز پڑھتے اور لوگوں کو نماز کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام ؑ کی ایک جماعت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝٧٣﴾ (الانبیاء)

''اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی رہبری کریں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے' نمازوں کو قائم کرنے اور زکاۃ دینے کی وحی کی' اور وہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔''

گزشتہ تمام اُمتوں کو بھی نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا تھا:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝٥﴾ (البینة)

''اور انہیں صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کی عبادت کریں' اسی کے لیے دین کو خالص کر کے' یکسو ہو کر' اور وہ نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں' اور یہی نہایت درست دین ہے۔''

کوئی بھی نبی ایسا نہیں گزرا جس کی شریعت میں نماز نہ ہو اور کوئی بھی اُمت ایسی نہیں گزری جس نے نماز نہ پڑھی ہو۔

نماز صرف پڑھنا کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ نماز قائم کی جائے' جیسا کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو فرمایا:

﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ (لقمٰن:۱۷) ''پیارے بیٹے! نماز قائم کرو۔''

حواشی

(۲۶) تفسیر ابن کثیر، تحقیق سلامة ۸/ ۱۶۷

(۲۷) سنن أبي داود: ۴۹۴' سنن الترمذی: ۴۰۷' مسند احمد ۳/ ۲۰۱ بروایت برۃ بن معبد

(۲۸) مصنف ابن أبي شيبة ۱/ ۳۰۵ ح: ۳۴۸۵

(۲۹) صحیح مسلم: ۷۷۸

(۳۰) صحیح البخاري: ۸' صحیح مسلم: ۱۶

(۳۱) صحیح البخاري: ۱۴۵۸ واخرجه مسلم' ص ۱۹

(۳۲) مسند احمد ۳۶/ ۳۴۴ مسند کے محققین نے شواہد کی بنا پر اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔

(۳۳) مسند أحمد ۳۷/ ۶۰' سنن ابن ماجه: ۲۷۷ بروایت ثوبان رضی اللّٰہ عنہ۔ مسند احمد کے محققین اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا۔

(۳۴) المعجم الكبير للطبراني ۸/ ۳۱۷ ح: ۸۱۸۶

(۳۵) مسند احمد ۲۷/ ۱۶' سنن الترمذی: ۴۱۳ الفاظ سنن ترمذی کے ہیں۔

(۳۶) مسند أحمد: ۳۸/ ۲۰' سنن ابن ماجه: ۱۰۷۹' سنن الترمذی: ۲۶۲۱

(۳۷) صحیح البخاري: ۲۴۹۳' سنن الترمذی: ۲۱۷۳' مسند احمد ۳۰/ ۳۲۹

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
- ☆ بانی تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
- ☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
- ☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو ویڈیو کیسٹس/سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

رزق میں کمی بیشی کی حکمتیں

راحیل گوہر صدیقی ☆

یہ انسان کے اپنے ذہن کی اختراع ہے کہ رزق میں کمی بیشی اُس کے لیے عزّت یا ذلّت کا باعث بنتی ہے۔ درحقیقت ایسا ہرگز نہیں ہے۔ انسان کے رزق میں کمی بیشی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کئی مصلحتیں اور حکمتیں کارفرما ہوتی ہیں۔ رزق کی تقسیم کے ذریعے انسان کی آزمائش اور اس کی بندگی کا امتحان لینا مقصود ہوتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَيۡءٖ مِّنَ ٱلۡخَوۡفِ وَٱلۡجُوعِ وَنَقۡصٖ مِّنَ ٱلۡأَمۡوَٰلِ وَٱلۡأَنفُسِ وَٱلثَّمَرَٰتِۗ وَبَشِّرِ ٱلصَّٰبِرِينَ ۝١٥٥﴾ (البقرۃ)

’’اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور ثمرات کے نقصانات سے تمہاری آزمائش کریں گے۔ تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو!‘‘

اس آیتِ مبارکہ میں جن چیزوں کے نام لیے گئے ہیں وہ سب انسان کی آزمائش اور امتحان کی مختلف صورتیں ہیں۔ چنانچہ جو شخص بھی ان آزمائشی مراحل سے صبر وتحمل کے ساتھ گزر گیا‘ وہی اللہ کی نظر میں کامیاب اور فلاح پانے والا ہے۔ دراصل ہماری یہ زندگی تو ہے ہی مسلسل امتحان‘ اور یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ اس حقیقت کو جو بھی جان گیا اس کے لیے نہ کوئی غم ہوتا ہے اور نہ خوف! دنیا ایک آزمائش گاہ ہے اور انسان اللہ کا بندہ‘ جسے اپنی بندگی کا ثبوت اسی دنیا میں رہتے ہوئے پیش کرنا ہے۔ دنیا اور انسان کا یہ تعلق اس کی موت ہی پر ختم ہوتا ہے اور اُس وقت تک وہ آزمائشوں کے دائرے میں سفر کرتا رہتا ہے۔

رزق کی ترسیل کا معاملہ سراسر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور اس کی مصلحت پر منحصر ہے۔ وہ کس کے رزق میں فراوانی کرتا ہے اور کس کے رزق میں تنگی‘ اس کا فیصلہ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

☆ معاون مسئول‘ شعبہ تصنیف وتالیف‘ قرآن اکیڈمی‘ یٰسین آباد‘ کراچی

مشاہدے میں آتا ہے کہ بظاہر ایک بدکار‘ گمراہ‘ بے راہ روی میں مبتلا اور خدا ناشناس شخص جو اللہ ربّ العزت کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا مانتا ہی نہیں‘ عیش وعشرت کی زندگی گزار رہا ہے‘ تمام آسائشیں اسے حاصل ہیں۔ رزق اتنا مل رہا ہے کہ اس کی ناقدری کی جا رہی ہے۔ اُس کے پالتو کتوں کو وہ کچھ مل رہا ہے جو ایک ضرورت مند انسان کو بھی میسر نہیں ہوتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کے رزق میں روز بروز اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ اس کا معاملہ ’’مٹی پکڑے‘ سونا ہوتا ہے‘‘ کا مصداق ہوتا ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو نیکوکار اور صالح ہے‘ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھتا ہے‘ حتی الامکان اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے دامن بچاتا ہے مگر وہ زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے بھی پوری طرح فیض یاب نہیں ہوتا۔ صبح سے شام تک جاں گزا محنت کرتا ہے مگر اس کی جائز ضرورتیں بھی پوری نہیں ہوتیں۔ ایسے میں بسا اوقات وہ زندگی سے مایوس بھی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے اسے بدگمانیاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ اکثر سننے میں آتا ہے کہ فلاں شخص نے غربی‘ مفلسی اور فاقہ کشی سے تنگ آ کر اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو جان سے مار کر خود کو بھی ہلاک کر لیا۔ یہ سب اسی مایوسی‘ کس مپرسی اور احساسِ محرومی کا نتیجہ ہے۔

دراصل اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی جو مصلحتیں اور حکمتیں کام کر رہی ہیں‘ ان کو انسان سمجھ نہیں پاتا۔ مسائل‘ پریشانیاں اور بنیادی ضرورتوں سے محرومی اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتی ہیں۔ قرآن وحدیث کی تعلیمات سے لاعلمی بھی انسان کی عقل وفہم کو ناکارہ کر دینے کا ایک بڑا سبب ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَعَسَىٰٓ أَن تَكۡرَهُواْ شَيۡـٔٗا وَهُوَ خَيۡرٞ لَّكُمۡۖ وَعَسَىٰٓ أَن تُحِبُّواْ شَيۡـٔٗا وَهُوَ شَرّٞ لَّكُمۡۚ وَٱللَّهُ يَعۡلَمُ وَأَنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ ۝٢١٦﴾ (البقرۃ)

’’ممکن ہے تم کسی چیز کو برا جانو اور دراصل وہی تمہارے لیے بھلی ہو‘ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھا سمجھو حالاں کہ وہ تمہارے لیے بری ہو۔ اس کا حقیقی علم اللہ ہی کو ہے اور تم محض بے خبر ہو۔‘‘

دین ہمیں بتاتا ہے کہ جو انسان اس دنیا میں اپنی جائز خواہشات کی تکمیل سے محروم رہتا ہے اس کے نعم البدل کے طور پر اُسے آخرت میں ایسے بیش بہا انعامات ملنے والے ہیں جن کا وہ

تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اگر کسی کو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں میسر آ بھی گئی ہیں تو وہ اُن سے کتنے دن فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ موت کا تو کسی کو علم نہیں کہ نہ جانے کب سامنے آ کھڑی ہو! بقولِ نکہت افتخار ؎

جانے کس وقت کوچ کرنا ہو اپنا سامان مختصر رکھیے!

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جنہیں اسلامی تاریخ میں پانچواں خلیفہ راشد کہا گیا ہے‘ ایک صاحبِ ثروت انسان تھے۔ جب خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو اپنا سب کچھ بیت المال میں جمع کروا دیا۔ دورانِ خلافت عید کا تہوار آ گیا۔ بیت المال سے جو مشاہرہ ملتا تھا‘ اس سے گزر اوقات مشکل سے ہوتی تھی۔ چنانچہ زوجہ محترمہ کے مشورہ پر ناظم بیت المال سے کہا کہ مجھے ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی دے دیں‘ بچوں کے کپڑے بنوانے ہیں‘ مَیں ایک ماہ بعد تھوڑی تھوڑی کر کے یہ رقم واپس کر دوں گا۔ ناظم بیت المال نے عرض کیا: ’’امیر المومنین! کیا آپ کو یہ یقین کامل حاصل ہے کہ آپ اگلے مہینے تک زندہ رہ سکیں گے؟ اگر نہیں تو کیوں اپنے کاندھوں پر اُمّت کا بوجھ لے کر دنیا سے جانا چاہتے ہیں‘‘۔ اس جواب سے خلیفہ محترم کی آنکھیں کھل گئیں اور پھر پورے شہر نے دیکھا کہ عید کے دن ہر بچہ نئے کپڑے زیب تن کیے ہوئے ہے جبکہ خلیفہ کے بچے دھلے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ یہ دراصل اس سوچ کا نتیجہ تھا کہ اس دنیا کی آسائشیں عارضی اور یہاں کی محرومیاں چند روزہ ہیں۔ نہ تو یہاں کا عیش و آرام ہمیشہ رہے گا اور نہ دکھ‘ تکلیف‘ مصائب و آلام! جب انسان ہی فانی ہے تو پھر اُس کی آسائشیں اور کلفتیں کیا معنی رکھتی ہیں!

انسان کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو نعمتیں اسے میسر آتی ہیں اُس کی نظر میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہوتی مگر جن نعمتوں سے وہ محروم رہتا ہے اس کا رونا روتا رہتا ہے۔ اصل میں وہ اس حقیقت سے ناواقف ہے کہ اللہ نے جن بندوں کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے اُن کو بھی کئی دوسری نعمتوں سے محروم رکھا ہے۔ کوئی شخص بھی دنیا کے ہر انسان کے حالات سے واقف نہیں ہوتا‘ چنانچہ انسان کی عافیت راضی برضا رہنے میں ہی ہے۔ بقول اکبرالہ آبادی ؎

رضائے حق پہ راضی رہ یہ حرفِ آرزو کیسا
خدا خالق‘ خدا مالک‘ خدا کا حکم‘ تو کیسا؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے کلام کی صورت میں ہدایتِ کاملہ سے سرفراز کیا ہے۔ اپنے

رسول ﷺ کو اس ہدایت کاملہ کی عملی تصویر بنا کر مبعوث فرمایا تا کہ انسان اپنے مقصدِ حیات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق پورا کر سکے۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مصلحت کے تحت ہر انسان کو اپنی مرضی سے زندگی بسر کرنے کی آزادی بھی دے دی۔ آزمائش تبھی ہو سکتی ہے کہ ایک ہاتھ بندھا ہو تو دوسرا ہاتھ کھلا بھی رہنا چاہیے۔ بقولِ داغ دہلوی ؎

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے!

انسان اس دنیا میں کئی عوامل کے تحت زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کے گھر کا ماحول سب سے پہلے اس کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے‘ جیسا کے حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَامِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ، فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ)) (متفق علیہ)

’’ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے‘ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی‘ نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔‘‘

گویا عقائد و نظریات کا بیج انسان کے اس ماحول میں ہی پڑ جاتا ہے جس میں وہ آنکھ کھولتا ہے۔ پھر انہی نظریات کے تحت وہ اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر اس کی فطرت سلیمہ نے اس کی راہ نمائی کر دی اور وہ قرآن و سُنّت کی تعلیمات سے بہرہ مند ہو گیا تو اس کی زندگی کا رخ تبدیل ہو جاتا ہے۔ البتہ اس کے لیے مضبوط قوتِ ارادی درکار ہوتی ہے‘ ورنہ معاشرے میں قدم قدم پر کھڑے فسق و فجور کے درخت اور ان کی شاخیں انسان کو ہر طرف سے لپیٹنے کے لیے ہمہ وقت موجود رہتی ہیں۔ لالچ‘ خود غرضی‘ مفاد پرستی‘ بغض و عداوت کے ماحول میں انسان اپنی دنیا خوب سے خوب تر بنانے کا آرزومند رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قناعت‘ صبر و تحمل‘ راضی برضا رہنے جیسی اقدار سے دور ہوتا جاتا ہے۔ دوسروں کی پُرآسائش زندگی اس کی آنکھوں میں کھٹکتی رہتی ہے۔ ان غیر فطری رویوں کا ایک سبب وہ تعلیم بھی ہے جس میں صرف اس فانی دنیا ہی کی لذتیں حاصل کرنے کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔ دنیاوی تعلیم مغرب کے لادینی افکار و نظریات پر مبنی ہے‘ جو انسانی ذہن کو اس طرح مرعوب و مسحور کر دیتی ہے کہ اسے حصولِ دنیا کے سوا اور کچھ

اچھا نہیں لگتا۔ مغربی تعلیم میں آخرت کا کوئی مبہم سا تصور بھی نہیں پایا جاتا۔

انسانی زندگی میں ایک اہم مسئلہ دکھاوے کی زندگی کو اہمیت دینا بھی ہے۔ اس نے ہماری معاشرتی اور سماجی زندگی کو اتنا متاثر کیا ہے کہ جھوٹی انا کی خاطر ہم سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ ہم اپنی ناک اونچی رکھنے کے لیے مسلسل جھوٹ پہ جھوٹ بولے جاتے ہیں۔ بعض اوقات تو اپنے اَن پڑھ ماں باپ کا تعارف بھی کروانا پسند نہیں کرتے کہ اس سے ہماری بے عزتی ہوتی ہے۔ اس نام نہاد ترقی یافتہ دور نے ہمیں ایک مصنوعی زندگی میں دھکیل دیا ہے۔ ہم اپنے ٹھاٹ باٹ کو قائم رکھنے کے لیے ہر جائز اور ناجائز کام کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ اسی دہرے معیار نے معاشرے میں احساسِ محرومی کو جنم دیا ہے۔ ایک طرف عیش و تنعم کی بہاریں ہیں تو دوسری جانب قوتِ لایموت بھی میسر نہیں۔ یہ سب کچھ دینی تعلیم سے دُوری اور مغربی تعلیم سے مرعوبیت کا شاخسانہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک مادہ پرستانہ تصورِ زندگی پر مذہبی اور آفاقی تصورِ زندگی کو فوقیت نہیں دی جائے گی' معاشرہ اسی طرح انتشار و افتراق کا شکار رہے گا۔ انسان کی حقیقت اس کا مادی جسم نہیں بلکہ اس کی روح کی ہے جو اسے اُخروی حیات کے لیے تیار کرتی ہے جبکہ اس دنیا کی زندگی کو عارضی' فانی اور حقیر بنا کر پیش کرتی ہے۔ معاشرے میں نقطۂ نظر کی اس تبدیلی کے بغیر انسانیت کی فلاح اور سکون وراحت ممکن ہی نہیں۔

موجودہ صدی کو مغربی فلسفیانہ فکر اور علمیت کے غلبے کا دور کہا جا سکتا ہے۔ یہ مادہ پرستانہ نقطہ نظر اب عالمگیر بن چکا ہے۔ نظامِ تعلیم اور ابلاغِ عامہ کے ذریعے مشرق و مغرب کے تقریباً ہر ملک میں اس کی حمایت اور اشاعت کی گئی ہے۔ سیاسی' معاشی' سماجی' تعلیمی اور ثقافتی حلقوں کے تمام بالاتر اور مقتدر لوگ اس نقطہ نظر کی حمایت میں کمر بستہ ہیں۔ بہت سارے مخلص مسلمان جو احیائے دین کی معاصر تحریکوں کے ساتھ مل کر اس فکر کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں' ان کا اگر قریب سے معائنہ کیا جائے تو انکشاف ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے نقطہ نظر (approach)' منہاج (method) اور تعبیرات (interpretations) میں مغربی افکار سے اس بری طرح متاثر ہیں کہ اپنی بیشتر تاثیر (effectiveness) کو گنوا بیٹھتے ہیں۔

اسلامی طرزِ فکر اور زہد و ورع کی زندگی اس سے قطعی مختلف ہے' اور اسی میں عافیت اور

فوز و فلاح ہے۔ اس کے لیے انسان کو جو مشرف بہ اسلام بھی ہو' اس دنیا کی چمک دمک کو نظر انداز کرنا ہوگا۔ سیرت النبی ﷺ کے مطابق اپنی زندگی کو استوار کرنا لازمی ہوگا' کیونکہ یہی راستہ اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضامندی تک لے جاتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ فرش پر کھجور کے درخت کے پتوں کی بنی چٹائی پر استراحت فرما رہے ہیں۔ اس پر کوئی بستر نہیں بچھا ہوا تھا' چٹائی کے نشان جسم اطہر پر منقش تھے۔ آپ کا تکیہ چمڑے کا ایک تھیلا تھا جس میں کھجور کے درخت کی کھال بھری ہوئی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا تو کمرے کی اشیاء کھال کے تین ٹکڑوں اور مٹھی بھر جو پر مشتمل تھیں۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو کمرے میں کسی اور چیز کو ڈھونڈنے میں ناکام رہا۔ میں رو پڑا اور کہا: ''یا نبی ﷺ! آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی زندگی کی مناسب ضروریات عطا کر دے۔ ایرانی اور رومی جو اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی نہیں رکھتے' وہ وافر مال اور خوش حالی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ پھر اللہ کے برگزیدہ نبی ﷺ ایسی غربت کی حالت میں زندگی کیوں گزاریں؟'' آپ ﷺ اپنے سخت تکیہ پر استراحت فرما رہے تھے' لیکن جب مجھے اس طرح سے گفتگو کرتے سنا تو جلدی سے اُٹھ بیٹھے اور مجھے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ''اے عمر! تم اُن کی آسائش و آرام کے بارے میں حسد کیوں کرتے ہو؟ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ اُن کے لیے تو دنیا کی زندگی ہے اور ہمارے لیے آخرت کی زندگی ہے؟'' میں نے عاجزی سے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے معاف فرما دیں' مَیں غلطی پر تھا۔''

جدید عقلی اور نقلی سائنسی تعبیرات اسلام سے سراسر اجنبی ہیں۔ نبوی مشن کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اُس روحانی پیغام سے بالکل تہی دامن ہیں جو قرآنی وحی کا جوہر ہے۔ مادہ پرستانہ تصورِ زندگی سے مذہبی طرزِ فکر کی طرف تبدیلی کا پہلا قدم غیبی (unseen)' ناقابلِ محسوس (intangible)' مطلق (absolute)' ماورائی حقیقت (transcendental Truth) کو مادی اشیا پر فوقیت دینا ہے۔

آج اخلاقی زوال' بے راہ روی' گمراہی' جنسی جرائم' قتل و غارت' چوری' ذخیرہ اندوزی اور سیاسی حقوق کی پامالی کی شکل میں ہمیں جو کچھ نظر آ رہا ہے اور معاشرے میں احساسِ محرومی کی جو فضا پروان چڑھ رہی ہے' اسے دور کرنے کے لیے وہی حکمت عملی اختیار کرنی ہوگی جو ہادیٔ

اعظم اور محسنِ انسانیت ﷺ نے اُس دورِ جاہلیت میں استعمال کی تھی جو موجودہ دورِ جاہلیت سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ اُس بگڑے ہوئے معاشرے کی فکری تطہیر اور عمل کے تزکیے کے لیے توحید کا صحیح تصور لازم کیا گیا تھا۔ بالکل اسی طرح آج الکتاب سے وابستگی اور اس کی ہدایتِ تامہ کو براہِ راست سمجھ کر زندگی کے تمام شعبوں میں نفوذ کا چیلنج درپیش ہے۔

اس دنیا کی زندگی ناپائدار (transitory)، مختصر، غیر حقیقی اور حقیر ہے، جب کہ آخرت کی زندگی دائمی (everlasting) اور اعلیٰ ترین اہمیت کی حامل ہے۔ خوشنودیٔ ربّ کو دنیاوی دولت، شہرت، عزت اور حرمت پر فوقیت دینی چاہیے، کیوں کہ یہ دنیا حقیقت میں ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں! چناں چہ جب تک اُمّت یا مسلم سماج کا ایک بڑا حصہ نقطہ نظر کی اس بنیادی تبدیلی سے نہیں گزرتا اُس وقت تک انسانی معاشرے سے انتشار، مایوسی، کرب و بےچینی اور محرومی کا احساس ختم نہیں ہوسکتا۔

اسلام صرف عقائد و عبادات ہی کا داعی نہیں بلکہ وہ پوری انسانی زندگی کی تنظیم خدا پرستی اور روحانیت و مادیت کے صحیح توازن کی بنیاد پر کرنے کا علم بردار ہے۔ آج اسی چیز کی کمی ہے جس نے ساری انسانیت کو تہس نہس کیا ہوا ہے۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں علماء و مشائخ اور اولوالامر کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے۔ وہ صرف اپنے اعمال کے لیے جواب دہ نہیں بلکہ پوری قوم کے اعمال کی جواب دہی بھی ایک حد تک ان پر عائد ہوتی ہے۔ جو اُمراء اور علما و مشائخ اپنے محلوں، گھروں اور خانقاہوں میں بیٹھے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی داد دے رہے ہیں وہ بھی خدا کے ہاں جواب دہی سے بچ نہیں سکتے کیونکہ جب ان کی قوم پر گمراہی اور بد اخلاقی کے طوفان اُمڈے چلے آ رہے ہوں تو اُن کا کام یہ ہے کہ مَردِ میدان بن کر نکلیں۔ جو کچھ زور اور اثر اللہ نے اُن کو عطا کیا ہے، اس کو کام میں لا کر اس طوفان کا مقابلہ کریں۔ طوفان کو دور کرنے کی ذمہ داری بلاشبہ اُن پر نہیں، مگر اس کے مقابلے میں اپنی پوری امکانی قوت صرف کر دینا یقیناً اُن پر فرض ہے۔

قرآن حکیم محض دینی اور شرعی اعتبار سے ہی ہمارے لیے ہدایت نامہ نہیں ہے بلکہ وہ تمدنی حوالے سے بھی ہمارے لیے ایک بہترین رہبر ہے۔ اسباب و علل بھی خدا کے بنائے ہوئے ہیں، جو اس کی قانونِ ربوبیت ہی کے ماتحت ہیں۔ نظامِ ربوبیت میں الگ سے ان کا کوئی وجود

نہیں۔ ضرورت صرف شعور و ادراک اجاگر کر کے زندگی کی راہوں کو استوار کرنے کی ہے۔ یہ انفرادی طور پر بھی ہوسکتا ہے اور اجتماعی طور پر بھی! یہ بھی ذہن میں مستحضر رہے کہ خوفِ خدا اور جواب دہی کا احساس ہی جڑ اور بنیاد ہے تمام اخلاقِ حسنہ اور اعمالِ صادقہ کی، ورنہ زندگی تو حیوانات بھی گزار لیتے ہیں۔

حالات میں کوئی بڑی تبدیلی اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک دنیا کی قیادت مادہ پرست انسانوں کے ہاتھ سے نکل کر ان خدا شناس اور خدا ترس انسانوں کے ہاتھ میں نہ پہنچ جائے جو پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان ہی کی تعلیمات کی روشنی میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ ان کے پاس آخری پیغمبر ﷺ کی شریعت اور دین و دنیا کی رہنمائی کا مکمل دستور موجود ہے۔ جب تک یہ صورتِ حال پیدا نہ ہوجائے، انسانی معاشرہ اسی طرح دگرگوں اور ظلم و استحصال کا شکار رہے گا۔ نہ غربت ختم ہوگی، نہ عدل و انصاف کی فضا قائم ہوگی اور نہ انسانوں کی زندگی میں سکون و راحت میسّر آ سکے گا۔ اس کے لیے کوشش انسانوں ہی نے کرنی ہے کیونکہ دنیا میں بگاڑ اور فساد فی الارض بھی انہی کی حماقتوں، لالچ، خود غرضی اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے جنون کا منطقی نتیجہ ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو اپنے بندوں کے لیے آسانیاں چاہتا ہے لیکن بندہ خود اپنے لیے زندگی کو مشکل بنا لیتا ہے۔ ربّ تو ہمیشہ مائل بہ کرم ہی رہتا ہے، بندوں ہی میں سائل بننے کی صلاحیت نہیں رہی۔

کتابیات

(۱) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
(۲) تنقیحات: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
(۳) عالمِ اسلام میں مغربیت کا نفوذ: مریم جمیلہ
(۴) معاشرتی و اخلاقی زوال اور نجات کی راہ: ڈاکٹر انیس احمد

❁❁❁

میثاق، حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

مسجد اقصیٰ کی تاریخی اہمیت

انجینئر نوید احمدؒ

مسجد اقصیٰ کے حوالے سے ایک غلط فہمی جو اکثر و بیشتر تحریر و تقریر میں نظر آتی ہے‘ یہ ہے کہ اِسے ’’قبلہ اوّل‘‘ کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ بات درست نہیں۔ قبلہ اوّل مسجدِ حرام ہی تھی اور قیامت تک اب یہی قبلہ رہے گی۔ درمیان میں کچھ عرصہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی آزمائش کے لیے مسجد اقصیٰ کو قبلہ کی حیثیت دی تھی۔ پھر تحویلِ قبلہ کے حکم کے ذریعے دوبارہ مسجدِ حرام کو قبلہ بنا دیا گیا۔ مسجد حرام کے قبلہ اوّل ہونے کا ذکر قرآنِ حکیم اور حدیثِ نبویؐ دونوں میں ہے۔

سورۂ آل عمران میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ ....﴾ (آیت ۹۶)

’’بے شک پہلا گھر جو مقرر کیا گیا لوگوں (کی عبادت) کے لیے یقیناً وہ مکہ میں ہے‘‘

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! اَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ اَوَّلًا؟ قَالَ: ((اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ)) قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ؟ قَالَ: ((ثُمَّ الْمَسْجِدُ الْأَقْصٰى)) قُلْتُ: كَمْ كَانَ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ: ((اَرْبَعُوْنَ)) ثُمَّ قَالَ: ((حَيْثُمَا اَدْرَكَتْكَ الصَّلَاةُ فَصَلِّ، وَالْاَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ)) (صحيح البخاري)

میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس روئے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ’’مسجدِ حرام۔‘‘ میں نے پوچھا: اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’مسجد اقصیٰ۔‘‘ میں نے کہا: اِن دونوں کی تعمیر کے دوران کل کتنا وقفہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ’’چالیس سال۔‘‘ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تمہیں جہاں نماز پڑھنا نصیب ہو‘ پڑھ لو۔ تمہارے لیے ساری زمین مسجد ہے۔‘‘

سنن النسائی کی شرح میں امام السندی نے اِس حدیث کی وضاحت میں تحریر کیا ہے کہ:

ليس المراد بناء ابراهيم للمسجد الحرام وبناء سليمان للمسجد الأقصى فان بينهما مدة طويلة بلا ريب بل المراد بناؤهما قبل هٰذين البنائين

’’اس سے مراد مسجدِ حرام کی وہ تعمیر نہیں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی اور نہ مسجد اقصیٰ کی وہ تعمیر جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی۔ اِن تعمیرات کے درمیان تو بڑی طویل مدت ہے‘ بلکہ یہاں اِن تعمیرات سے قبل کی تعمیرات کا ذکر ہے۔‘‘

گویا انسانی تاریخ کے ابتدائی دور میں ہی دونوں مساجد تعمیر کی گئیں اور اکثر اہلِ علم کی رائے ہے کہ یہ دونوں مساجد حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر فرمائیں۔ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے:

بَعَثَ اللّٰهُ جِبْرِيْلَ اِلٰى آدَمَ وَحَوَّاءَ فَاَمَرَهُمَا بِبِنَاءِ الْكَعْبَةِ، فَبَنَاهُ آدَمُ، ثُمَّ اَمَرَ بِالطَّوَافِ بِهٖ وَقِيْلَ لَهٗ: اَنْتَ اَوَّلُ النَّاسِ وَهٰذَا اَوَّلُ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ (رواه البيهقي)

’’اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام و بی بی حوا سلام علیہا کی طرف بھیجا اور اُن کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ پس حضرت آدمؑ نے اُسے تعمیر کیا۔ پھر اللہ نے اُنہیں طواف کرنے کا حکم دیا اور اُن سے کہا گیا کہ آپ پہلے انسان ہیں اور یہ پہلا گھر ہے جو کہ لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہے۔‘‘

ابن ہشام نے اپنی کتاب ’’التیجان‘‘ میں نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کو تعمیر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو حکم دیا کہ بیت المقدس کی طرف جائیں اور اُس کی بنیاد رکھیں‘ تو اُنہوں نے جا کر اُس کو تعمیر کیا۔ قرآنِ حکیم کی کئی آیات میں اِن دونوں مقامات اور اِن سے ملحق سرزمین کے تقدس کا ذکر کیا گیا۔ مسجدِ حرام یا بیت اللہ کی حرمت یوں بیان کی گئی:

﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ (المائدۃ: ۹۷)

’’اللہ نے بنا دیا ہے اس کعبہ کو حرمت والا گھر اور لوگوں کی بقا کا ذریعہ۔‘‘

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اُس کے پاسباں ہیں‘ وہ ہے پاسباں ہمارا!

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝٩٦ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ

الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾ ﴾ (آل عمران)

’’بے شک پہلا گھر جو کہ مقرر کیا گیا لوگوں (کی عبادت) کے لیے یقیناً وہ ہے جو مکہ میں ہے‘ برکت والا اور (وہ ذریعہ) ہدایت ہے تمام جہان والوں کے لیے۔ اِس میں بڑی واضح نشانیاں ہیں اور مقامِ ابراہیم (ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ) ہے‘ اور جو کوئی بھی اِس (گھر) میں داخل ہو گیا وہ ہو گیا امن میں۔ اور اللہ کے لیے لوگوں پر (فرض) ہے اِس گھر کا حج کرنا جو کوئی بھی استطاعت رکھتا ہو اِس کی طرف راستہ (اختیار کرنے) کی۔ اور جس کسی نے کفر (استطاعت کے باوجود حج نہیں) کیا تو بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہے۔‘‘

﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾﴾ (البقرة)

’’اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ بنایا۔ اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیمؑ کھڑے ہوئے تھے اُس کو نماز کی جگہ بنا لو۔ اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو کہا کہ طواف کرنے والوں‘ اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو۔‘‘

﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَالْقَآىِٕمِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾﴾ (الحج)

’’اور جب ہم نے ابراہیمؑ کو آباد کیا خانہ کعبہ کے پاس (اور اُنہیں حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور طواف کرنے والوں‘ قیام کرنے والوں اور رکوع (اور) سجدہ کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو صاف رکھنا۔‘‘

مسجدِ اقصیٰ سے ملحق سرزمین کی برکتوں کا ذکر اِس طرح کیا گیا:

﴿یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾﴾ (المائدة)

’’(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:) اے میری قوم کے لوگو! داخل ہو جاؤ اِس مقدس سرزمین (فلسطین) میں کہ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پیٹھ نہ پھیرنا‘ ورنہ تم

ہو جاؤ گے خسارہ پانے والوں میں سے۔‘‘

﴿وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ ﴿۸۱﴾﴾ (الانبیاء)

’’اور ہم نے مسخر کر دی تھی سلیمانؑ کے لیے تیز ہوا جو کہ چلتی تھی اُس کے حکم سے اُس سرزمین کی طرف کہ جس میں ہم نے برکت رکھی تھی۔ اور ہم ہر چیز کو جاننے والے تھے۔‘‘

﴿وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ﴾ (الاعراف:۱۳۷)

’’اور ہم نے وارث بنا دیا اُن (بنی اسرائیل) کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے اُس سرزمین (فلسطین) کے مشرق ومغرب کا جس میں ہم نے برکت دی تھی۔‘‘

اِس آیتِ مبارکہ میں بنی اسرائیل کی اُس عظیم سلطنت کی طرف اشارہ ہے جو ۱۰۲۰ ق م میں حضرت طالوت نے فلسطین اور اُس کے گردونواح میں قائم کی اور پھر وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں اپنے عروج کو پہنچی۔

﴿وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ الْقُرَی الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا قُرًی ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِیْهَا السَّیْرَ ؕ﴾ (السبا:۱۸)

’’اور ہم نے اُن (قومِ سبا) کے اور (فلسطین کی) اُن بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی (ایک دوسرے کے متصل) دیہات بنائے تھے جو سامنے نظر آتے تھے اور ان میں آمد ورفت کا اندازہ مقرر کر دیا تھا۔‘‘

اِس آیتِ مبارکہ کے لفظ ’’القُریٰ‘‘ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ برکت صرف فلسطین کی بستی میں نہیں رکھی گئی بلکہ اُن تمام بستیوں میں رکھی گئی ہے جو کہ اِس سرزمین سے ملحق تھیں۔

مسجدِ حرام‘ مسجدِ اقصیٰ اور اِن سے ملحق مقامات کی یہی اہمیت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو دعوتِ توحید کے مراکز بنا دیا۔ جب اُن کی قوم اُن کی جان کی دشمن ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بیت المقدس کی طرف ہجرت کروائی:

﴿وَنَجَّیْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾﴾ (الانبیاء)

’’اور ہم نے بچا لیا اُس (ابراہیمؑ) کو اور لوطؑ کو بھی ایک ایسی سرزمین (فلسطین) کی طرف کہ جس میں ہم نے برکت رکھی تھی تمام جہان والوں کے لیے۔‘‘

اِس آیتِ مبارکہ میں وارد لفظ ’’لِلْعٰلَمِیْنَ‘‘ سے واضح ہوتا ہے کہ سرزمینِ فلسطین کی برکات تمام جہان والوں کے لیے ہیں۔ یہودیوں کا یہ خیال باطل ہے کہ اِس سرزمین کی برکات صرف اُن ہی کے استفادے کے لیے ہیں۔ ہجرت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوتِ توحید کا ایک مرکز اِس سرزمین کو بنایا۔ اُن کے چھوٹے صاحب زادے حضرت اسحاق علیہ السلام اور پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کا مسکن یہی مقدس سرزمین تھی۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مسجدِ حرام کے پاس شہر مکہ میں آباد فرمایا:

﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ ۙ﴾ (ابراھیم:۳۷)

’’اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی اولاد میں سے کچھ کو لا بسایا ہے ایک ایسی بنجر وادی میں جہاں کوئی کھیتی نہیں تیرے عزت والے گھر کے پاس۔‘‘

ان مساجد کی ابتدائی تعمیر حوادثِ زمانہ کی وجہ سے منہدم ہوگئی۔ مسجد حرام کو اُس کی سابقہ بنیادوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ تعمیر کیا جن کا دور ایک اندازے کے مطابق ۱۸۶۱ ق م کا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ﴾ (البقرۃ:۱۲۷)

’’اور یاد کرو جب اٹھا رہے تھے ابراہیمؑ بنیادیں اللہ کے گھر کی اور اُن کے ساتھ اسماعیلؑ۔‘‘

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت سلیمان علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا قبلہ مسجد حرام ہی رہا۔ مسجد اقصیٰ کو دوبارہ حضرت سلیمان علیہ السلام (جن کا زمانہ ۹۶۵ ق م کا ہے) نے تعمیر کیا اور اِس کے بعد یہود نے اِس مسجد کو قبلہ بنالیا۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بشمول انبیائے بنی اسرائیل بیت اللہ کی طرف ہی رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی کا حج کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کی تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حج کی آواز لگائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ﴿۲۷﴾﴾ (الحج)

’’اور (اے ابراہیمؑ) لوگوں میں حج کا اعلانِ عام کرو۔ وہ تمہارے پاس آئیں گے پیدل اور دبلے اونٹوں پر اور ہر دُور کے راستے سے۔‘‘

اِس آیت میں النَّاس کا ذکر ہے جس میں بنو اسرائیل اور اُن کے تمام انبیاء بھی شامل ہیں۔ اگر بنو اسرائیل کے آباء واَجداد حضرت ابراہیمؑ حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا قبلہ بیت اللہ ہی تھا تو اُن کے بعد آنے والی نسلوں کا قبلہ تبدیل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بنو اسرائیل اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے دین پر تھے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا قبلہ بیت اللہ تھا تو ان کی اولاد یعنی بنو اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس کیسے ہوسکتا ہے؟

اس ضمن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (جن کا دور ۱۴۳۶ ق م کا ہے) اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا وہ قرآن حکیم میں بایں الفاظ مذکور ہے:

﴿وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِکُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قِبْلَةً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ﴾ (یونس:۸۷)

’’اور ہم نے موسیٰؑ اور اُن کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ رُخ کرو اور نماز قائم کرو۔‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں وہ قبلہ کون سا تھا جس کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا گیا؟ بلاشبہ وہ مسجد حرام ہی تھی۔ امام طبریؒ نے اِس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ: ’’وَاجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قِبْلَةً کے حکم میں قبلہ سے مراد ’’کعبہ‘‘ ہے۔‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور ہی میں اللہ نے بنی اسرائیل کو خوشخبری دی کہ اگر وہ بیت المقدس میں آباد عمالقہ نامی قوم کے خلاف قتال کریں تو اللہ اُن کو فتح دے گا:

﴿یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾﴾ (المائدۃ)

’’(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:) اے میری قوم کے لوگو! داخل ہو جاؤ اِس مقدس سرزمین (فلسطین) میں کہ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور پیٹھ نہ پھیرنا ورنہ تم ہو جاؤ گے خسارہ پانے والوں میں سے۔‘‘

قوم نے اِس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اور قتال کرنے سے صاف انکار کر دیا:

﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾﴾ (المائدۃ)

’’(وہ بولے کہ اے موسیٰ!) تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔‘‘

اپنی قوم کی بزدلی پر ناراض ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی:

﴿رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَاَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾﴾ (المائدۃ)

''اے اللہ! مَیں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا' تو ہم میں اور اِن نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے۔''

اللہ ربّ العزت نے جواب میں فرمایا:

﴿فَاِنَّہَا مُحَرَّمَۃٌ عَلَیۡہِمۡ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَۃً ۚ یَتِیۡہُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ فَلَا تَاۡسَ عَلَی الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۶﴾﴾ (المائدۃ)

''وہ سرزمین اُن پر چالیس برس تک کے لیے حرام کر دی گئی' بھٹکتے پھریں گے زمین میں۔ پھر ان نافرمان لوگوں کے حال پر افسوس نہ کرنا۔''

چالیس سال تک صحرائے تیہہ میں بھٹکنے کے دوران ایک نئی نسل پل کر جوان ہوئی۔ اِس نسل پر فرعون کی غلامی کے اثرات نہیں تھے۔ اقبال نے کہا ہے: ؎

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی!

صحرا میں پرورش پانے والی اِس نسل نے اُس وقت کے نبی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی قیادت میں جہاد کیا اور ارضِ مقدس پر فتح حاصل کی۔ یہ فتح عارضی ثابت ہوئی اور کچھ ہی عرصہ بعد محکوم قوم یعنی عمالقہ دوبارہ غالب آ گئی اور اُس نے اسرائیلیوں کو ارضِ مقدس سے نکال باہر کیا۔

اِس کے بعد حضرت طالوت کی قیادت میں بنی اسرائیل دوبارہ منظم ہوئے اور ۱۰۲۰ ق م میں اُنہوں نے ارضِ مقدس پر فتح حاصل کر کے ایک مستحکم حکومت قائم کی۔ ۱۶ سال حضرت طالوت خلیفہ رہے' پھر چالیس سال حضرت داوٗد علیہ السلام کی خلافت رہی اور اس کے بعد چالیس سال تک حضرت سلیمان علیہ السلام خلیفہ رہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام (جن کا دور ۹۶۵ ق م کا ہے) نے ارضِ مقدس میں ایک مسجد بنائی جسے ہیکلِ سلیمانی کہا جاتا ہے۔ ارشاداتِ نبوی ﷺ ہیں:

((اِنَّ دَاوٗدَ ابْتَدَأَ بِبِنَاءِ الْبَیْتِ الْمَقْدِسِ، ثُمَّ اَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْہِ اِنِّیْ لَاَقْضِیْ بِنَائَہٗ عَلٰی یَدِ سُلَیْمَانَ)) (طبرانی)

''حضرت داوٗد علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کے لیے بنیادیں رکھیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی کی کہ مَیں مسجد اقصیٰ کی تعمیر سلیمانؑ کے ہاتھوں مکمل کرواؤں گا۔''

((اَنَّ سُلَیْمَانَ بْنَ دَاوٗدَ لَمَّا بَنٰی بَیْتَ الْمَقْدِسِ سَأَلَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ خِلَالًا ثَلَاثَۃً: سَأَلَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ حُکْمًا یُصَادِفُ حُکْمَہٗ فَاُوْتِیَہٗ، وَسَأَلَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ مُلْکًا لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِہٖ فَاُوْتِیَہٗ، وَسَأَلَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ حِیْنَ فَرَغَ مِنْ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ اَنْ لَا یَأْتِیَہٗ اَحَدٌ لَا یَنْہَزُہٗ اِلَّا الصَّلَاۃُ فِیْہِ اَنْ یُخْرِجَہٗ مِنْ خَطِیْئَتِہٖ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ)) (النسائی)

''حضرت سلیمان بن داوٗد علیہ السلام نے جب بیت المقدس کی تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تعالیٰ سے تین باتوں کی دعا کی۔ اُنہوں نے اللہ سے ایسا فیصلہ کرنے کی توفیق مانگی جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہو' پس اُن کی دعا پوری کی گئی۔ اُنہوں نے اللہ سے ایسی حکومت کا سوال کیا جو اُن کے بعد کسی اور کو عطا نہ ہو' پس اُن کا سوال پورا کیا گیا۔ جب وہ مسجد بنا کر فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جب بھی کوئی شخص اس مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے آئے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو کر نکلے جیسے کہ اُس کی ماں نے اُسے جنا ہو۔''

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد اُن کے جانشین باہم جنگ و جدال میں دست و گریباں ہو گئے اور اُن کی ریاست دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ شمالی ریاست ''اسرائیل'' کہلائی جسے ۷۰۰ ق م میں آشوریوں نے تباہ کر دیا اور جنوبی ریاست ''یہودا'' کہلائی جس پر ۵۸۷ ق م میں بابل کے حکمران بخت نصر نے حملہ کیا۔ اُس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی قائم کردہ مسجد کو شہید کر دیا' پورے شہر کو اُجاڑ دیا' چھ لاکھ اسرائیلیوں کو قتل کیا اور چھ لاکھ کو قیدی بنا کر بابل لے گیا:

﴿وَقَضَیۡنَاۤ اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ فِی الۡکِتٰبِ لَتُفۡسِدُنَّ فِی الۡاَرۡضِ مَرَّتَیۡنِ وَلَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا کَبِیۡرًا ﴿۴﴾ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰىہُمَا بَعَثۡنَا عَلَیۡکُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّیَارِ ؕ وَکَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا ﴿۵﴾﴾ (بنی اسرائیل)

''اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ پس جب پہلے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر مسلط کر دیے اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے۔ اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔''

حضرت عزیر علیہ السلام جو اُس وقت کے نبی تھے' شہر سے باہر تھے۔ اُنہوں نے واپس آ کر اُجڑے ہوئے شہر کو دیکھا تو حیران ہوئے کہ جس شہر کے بارے میں مستقبل کی پیشین گوئیاں اُن

کے علم میں ہیں، یہ شہر دوبارہ کیسے آباد ہوگا! سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا:

﴿اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّ ہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ ہٰذِہِ اللّٰہُ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ۚ فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ ؕ قَالَ کَمۡ لَبِثۡتَ ؕ قَالَ لَبِثۡتُ یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ ؕ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِکَ وَ شَرَابِکَ لَمۡ یَتَسَنَّہۡ ۚ وَ انۡظُرۡ اِلٰی حِمَارِکَ وَ لِنَجۡعَلَکَ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَ انۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ کَیۡفَ نُنۡشِزُہَا ثُمَّ نَکۡسُوۡہَا لَحۡمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ ۙ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۵۹﴾﴾

’’یا اُس شخص کی طرح جس کا گزر ہوا ایک ایسی بستی پر جو گری پڑی تھی اپنی چھتوں پر۔ اُس نے کہا کہ اللہ اِس بستی کو مرنے (یعنی تباہ ہونے) کے بعد کیسے زندہ (یعنی آباد) کرے گا! تو اللہ نے اُسے موت دے دی سو برس تک کے لیے‘ پھر اُسے زندہ کیا۔ پوچھا: تم کتنا عرصہ رہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اُس سے بھی کم۔ (اللہ نے) فرمایا: بلکہ تم سو برس رہے ہو۔ پس دیکھو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو وہ خراب تک نہیں ہوئیں اور دیکھو اپنے گدھے کو (جو مرا پڑا ہے) اور ہم تمہیں تمام لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) ایک نشانی بنادیں گے‘ اور دیکھو (گدھے کی) ہڈیوں کو کہ ہم اُن کو کیسے جوڑ دیتے ہیں اور اُن پر گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں۔ جب یہ واقعات اُس کے مشاہدے میں آئے تو وہ بول اٹھا کہ میں جان گیا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘

حضرت عزیرؑ نے سو سال کا یہ تجربہ پورا کیا۔ دوسری طرف ایران کے بادشاہ ذوالقرنین نے بابل پر حملہ کر کے اسرائیلیوں کو آزاد کرا دیا۔ اب اُن کے قافلے دوبارہ بیت المقدس آنا شروع ہوئے۔ حضرت عزیرؑ کی تجدیدی مساعی کے ذریعے اُن میں پھر سے ایمان اور یقین کی شمعیں روشن ہوئیں اور سیرت و کردار کی اصلاح ہوئی۔ کچھ عرصہ یونانیوں کے ساتھ اسرائیلیوں کی معرکہ آرائی رہی اور آخر کار وہ ۱۷۵ ق م میں دوبارہ ایک عظیم سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے جس کا نام تھا ’’مکابی سلطنت‘‘۔ اب اُنہوں نے دوبارہ ہیکلِ سلیمانی کے نام سے ایک مسجد تعمیر کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کا ذکر یوں فرمایا:

﴿ثُمَّ رَدَدۡنَا لَکُمُ الۡکَرَّۃَ عَلَیۡہِمۡ وَ اَمۡدَدۡنٰکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِیۡنَ وَ جَعَلۡنٰکُمۡ اَکۡثَرَ نَفِیۡرًا ﴿۶﴾﴾ (بنی اسرائیل)

’’پھر ہم نے دوسری بار تم کو اُن پر غلبہ دیا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تمہیں کر دیا کثیر افرادی قوت والا۔‘‘

حضرت مریم سلامٌ علیہا کی پرورش اِسی ہیکلِ سلیمانی میں ہوئی اور پھر حضرت عیسیٰؑ کی جائے پیدائش بھی یہی ہے۔ اسی لیے یہ مقام عیسائیوں کے لیے بھی تقدس کا درجہ رکھتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی جب بعثت ہوئی تو اسرائیلیوں یعنی یہودیوں نے اُن پر دو بہتان لگائے۔ پہلا یہ کہ وہ بغیر والد کے پیدا نہیں ہوئے‘ بلکہ معاذ اللہ‘ ولد الزنا ہیں۔ دوسرا یہ کہ اُن کے پیش کردہ معجزات دراصل جادو ہیں‘ جبکہ جادو کرنا ارتداد ہے اور شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو مرتد قرار دے کر مصلوب کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو آسمان پر اٹھا لیا:

﴿وَ مَا قَتَلُوۡہُ وَ مَا صَلَبُوۡہُ وَ لٰکِنۡ شُبِّہَ لَہُمۡ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡہُ ؕ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوۡہُ یَقِیۡنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلۡ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیۡہِ ؕ﴾ (النساء)

’’اور اُنہوں نے اُس (عیسیٰؑ) کو قتل نہیں کیا اور نہ اُسے صلیب پر لٹکایا بلکہ اُن کے لیے یہ معاملہ مشکوک کر دیا گیا۔ اور جو لوگ اِس معاملہ میں اختلاف کرتے ہیں وہ اس بارے میں شک میں ہیں۔ اُن کے پاس کوئی علم نہیں سوائے گمان کی پیروی کے۔ اور اُنہوں نے عیسیٰؑ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔‘‘

یہودیوں کو حضرت عیسیٰؑ کے انکار اور اُن پر بہتان طرازی کی سزا اِس طرح ملی کہ رومی جرنیل ٹائٹس نے ۷۰ء میں بیت المقدس پر حملہ کر کے ایک بار پھر ہیکل کو شہید کر دیا۔ ایک لاکھ تینتیس ہزار یہودی مار دیے اور بقیہ کو بیت المقدس سے نکال کر اس شہر مقدس میں ان کے داخلہ پر پابندی لگا دی۔ قرآنِ حکیم میں اس کا ذکر اس طرح ہوا:

﴿اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ ۟ وَ اِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَہَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَۃِ لِیَسُوۡٓءٗا وُجُوۡہَکُمۡ وَ لِیَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ کَمَا دَخَلُوۡہُ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّ لِیُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِیۡرًا ﴿۷﴾﴾ (بنی اسرائیل)

’’اگر تم نیکی کرو گے تو اپنے ہی لیے کرو گے‘ اور اگر برے اعمال کرو گے تو (اُن کا) وبال بھی تمہاری ہی جانوں پر ہوگا۔ پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے پھر

اپنے بندے بھیجے) تاکہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (ہیکل) میں داخل ہو گئے تھے اُسی طرح پھر اُس میں داخل ہو جائیں اور جس چیز پر غلبہ پائیں اُسے تباہ کر دیں۔‘‘

یہ یہودیوں کا ’’دورِ انتشار‘‘ (Diaspora) کہلاتا ہے جس میں یہ دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل جانے پر مجبور ہو گئے۔ ۳۱۳ء میں رومن ایمپائر نے بحیثیت مجموعی عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ اب اُنہوں نے بیت المقدس کے مشرقی حصے میں جہاں حضرت مریم سلامٌ علیہا نے سکونت اختیار کی تھی‘ اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر لیں۔ ۶۱۰ء میں نبی کریم ﷺ پر ظہورِ نبوت ہوا اور دس سال بعد یعنی ۶۲۰ء میں آپ ﷺ نے سفرِ معراج کے دوران مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سفر کیا:

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ①﴾

(بنی اسرائیل)

’’وہ (اللہ) پاک ہے جو لے گیا ایک ہی رات میں اپنے بندے (ﷺ) کو مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اُس (بندے) کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سب سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔‘‘

معراج کے معنی ہیں عروج حاصل کرنا۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے اصل معراج تو تھی آسمانوں کی طرف جانا اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرنا‘ لیکن اِس سے قبل آپ ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے جایا گیا۔ وہاں آپ ﷺ نے تمام انبیاء کی ارواح سے ملاقات کی اور دو رکعات نماز میں اُن کی امامت کی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((وَقَدْ رَأَيْتُنِيْ فِيْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الأَنْبِيَاءِ، فَاِذَا مُوْسٰى قَائِمٌ يُصَلِّيْ، فَاِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ كَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْئَةَ، وَاِذَا عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ اَقْرَبُ النَّاسِ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ الثَّقَفِيُّ، وَاِذَا اِبْرَاهِيْمُ قَائِمٌ يُصَلِّيْ اَشْبَهُ النَّاسِ بِهٖ صَاحِبُكُمْ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَاَمَمْتُهُمْ)) (مسلم)

’’مَیں نے اپنے آپ کو (شب معراج) انبیاءؑ کی جماعت کے اندر پایا۔ مَیں نے دفعتاً دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے دیکھا موسیٰؑ ایک مرد ہیں متوسط قد کے کسی قدر دبلے‘ گول بدن والے گویا کہ وہ قبیلہ شنوئہ کے ایک مرد ہیں۔ پھر میری نظر عیسیٰ علیہ السلام پر پڑی جو کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اُن سے بہت ملتے جلتے ہیں عروہ بن مسعود ثقفیؓ۔ پھر میں نے اچانک ابراہیم علیہ السلام کو نماز پڑھتے دیکھا جن سے تمہارے یہ دوست‘ یعنی خود آپ ﷺ ‘ بہت مشابہ ہیں۔ پھر نماز کا وقت آ گیا اور مَیں نے اُن سب کی امامت کی۔‘‘

اِس سارے عمل کی حکمت یہ حقیقت واضح کرنا تھی کہ مسجدِ حرام کے ساتھ اب مسجد اقصیٰ کے متولی بھی نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اُمتی ہیں۔

ابتدا میں مسلمانوں کی آزمائش کے لیے مسجدِ اقصیٰ کو قبلہ کا درجہ دیا گیا تھا۔ اِس کا حکم قرآنِ حکیم میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعہ یہ حکم نبی اکرم ﷺ کو دیا۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسجدِ حرام سے شدید قلبی محبت تھی۔ مکی دور میں تو مسلمان نماز میں اس طرح رُخ کرتے کہ مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ دونوں سامنے ہوتے۔ اِسے ’’استقبالِ قبلتین‘‘ کہا جاتا ہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں ایک آزمائش آ گئی۔ مدینہ کے شمال میں مسجدِ اقصیٰ اور جنوب میں مسجدِ حرام ہے۔ اب اگر مسجدِ اقصیٰ کی طرف رُخ کیا جائے تو مسجدِ حرام کی طرف پشت ہو جاتی ہے۔ اِس سے مقصود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان لینا تھا کہ آیا وہ مسجدِ حرام سے اپنی محبت کو ترجیح دیتے ہیں یا اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے مسجدِ حرام کے بجائے بیت المقدس کو قبلہ بنا لیتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَۃَ الَّتِیۡ کُنۡتَ عَلَیۡہَاۤ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ یَّنۡقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیۡہِ ؕ وَاِنۡ کَانَتۡ لَکَبِیۡرَۃً اِلَّا عَلَی الَّذِیۡنَ ہَدَی اللّٰہُ ؕ﴾

’’اور ہم نے نہیں مقرر کیا وہ قبلہ جس پر کہ (اے نبی ﷺ!) آپ تھے مگر اِس لیے تاکہ ہم ظاہر کر دیں کہ کون ہے جو رسولؐ کی پیروی کرتا ہے اُس کے برعکس جو اپنی ایڑیوں کے بل رُخ پھیر لیتا ہے۔ اور یقیناً وہ بہت بھاری (حکم) تھا سوائے اُن لوگوں کے جنہیں اللہ نے ہدایت دی۔‘‘

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امتحان اچھی طرح سے ہو گیا تو ہجرت کے ۱۶ ماہ بعد ۶۲۴ء میں تحویلِ قبلہ کا حکم ان الفاظ میں وارد ہوا:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ﴾ (البقرۃ:۱۴۴)

''(اے نبی ﷺ!) ہم دیکھ رہے ہیں آپ کے چہرے کا بار بار اُٹھنا آسمان کی طرف‘ پس ہم پھیرے دیتے ہیں آپؐ کے چہرے کو اُس قبلہ کی طرف کہ جس سے آپ محبت کرتے ہیں‘ تو پھیر لیجیے اپنے چہرے (رخ) کو مسجد حرام کی طرف۔ اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں پر بھی ہو پس پھیر لوا پنے چہروں کو اُس (مسجد حرام) کی طرف۔''

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے پانچ سال بعد ۶۳۷ء میں مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کر لیا۔ یہ حضرت عمر فاروق ؓ کا دورِ خلافت تھا۔ عیسائیوں نے پُر امن طور پر ایک معاہدے کے ذریعے بیت المقدس مسلمانوں کے حوالے کیا۔ اِس سے قبل مسلمانوں نے کئی روز سے اِس شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا لیکن وہ شہر کو فتح کرنے سے قاصر تھے۔ عیسائیوں کے مذہبی رہنماؤں نے مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ ہماری کتابوں میں اُس بادشاہ کے تمام اوصاف درج ہیں جس کے ہاتھوں یہ شہر فتح ہوگا اور ہم تم میں ایسا بادشاہ نہیں پاتے۔ مسلمانوں نے یہ اوصاف دریافت کیے۔ اوصاف جاننے کے بعد کہا کہ یہ تو ہمارے خلیفہ حضرت عمر فاروق ؓ کے اوصاف ہیں۔ قرآنِ مجید میں اِس بات کا ذکر یوں ہے:

﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۣ﴾ (الفتح:۲۹)

''اُن (صحابہؓ) کی مثال تورات میں ہے‘ اور اُن کی مثال انجیل میں ہے۔''

حضرت عمر ؓ کو خصوصی طور پر بیت المقدس آنے کی دعوت دی گئی۔ آپؓ آئے اور عیسائیوں نے ایک معاہدے کے تحت یہ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ معاہدہ کرتے وقت عیسائیوں نے مطالبہ کیا کہ یہودیوں کو اِس شہر میں داخلے کی اجازت نہ دی جائے۔ حضرت عمر ؓ نے یہ مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ ہمارا دین اِس کی اجازت نہیں دیتا۔ البتہ معاہدے میں یہ طے ہوا کہ یہودی اِس علاقہ میں آباد نہ ہو سکیں گے یعنی یہاں کوئی رہائشی‘ صنعتی یا زرعی اراضی یا عمارت نہیں خرید سکیں گے۔ مسلمانوں کے تمام ادوارِ حکومت میں یہودیوں نے اِس پابندی کو ختم کرانے کی کوشش کی اور بعض مواقع پر بھاری مالی امداد کی بھی پیشکش کی لیکن کوئی مسلمان حکمران اِس پر تیار نہ ہوا۔

دورِ بنواُمیہ میں اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ۶۸۵ء میں اُس چٹان پر ایک گنبد کی تعمیر کا آغاز کیا جس پر سے نبی اکرم ﷺ شبِ معراج آسمانوں کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ اِس گنبد کی تعمیر ۶۹۱ء میں مکمل ہوئی اور یہ ''قبۃ الصخرہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ بعد ازاں اِس گنبد کے جنوب مشرق میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے مسجد اقصیٰ کے نام سے ایک عبادت گاہ تعمیر کی۔ یہ تعمیر ۷۰۹ء تا ۷۱۴ء جاری رہی۔ بعد کے ادوار میں بھی مسلمان سلاطین قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ میں مختلف تعمیراتی کام کراتے رہے۔ یہودی قبۃ الصخرہ کی تصاویر کے نیچے مسجد اقصیٰ لکھ کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ جب وہ مسجد اقصیٰ کو شہید کریں تو لوگوں کو میڈیا پر قبۃ الصخرہ کی تصاویر دکھا کر مطمئن کیا جائے کہ مسجد جوں کی توں سلامت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے ایک ہزار سال مکمل ہونے پر مذہبی رہنماؤں نے یورپ کے عیسائیوں میں بہت جوش وخروش پیدا کیا اور اُنہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش یعنی بیت المقدس کو مسلمانوں سے آزاد کرانے کے لیے جنگ پر آمادہ کیا۔ یہ پہلی صلیبی جنگ تھی جس کے لیے زور شور سے تیاری شروع ہوگئی۔ اس کے نتیجہ میں ۱۰۹۹ء میں عیسائیوں نے مسلمانوں سے بیت المقدس چھین لیا۔ اِس شہر مقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ۸۸ برس تک رہا۔ ۱۱۸۷ء میں مسلمانوں نے صلاح الدین ایوبیؒ کی قیادت میں بیت المقدس دوبارہ حاصل کیا۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانیہ نے سازش کے ذریعے عربوں اور ترکوں کو آپس میں لڑا کر بیت المقدس سے ترکوں کو بے دخل کر دیا۔ پھر مشرقِ وسطیٰ کو کئی عرب ممالک میں تقسیم کر کے اپنی اجارہ داری قائم کر دی۔ ۱۹۱۷ء میں برطانوی وزیر خارجہ بالفور نے ''اعلانِ بالفور'' کے ذریعے یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ یہودیوں نے فلسطینیوں سے منہ مانگے داموں جائیدادیں خریدیں‘ اور جنہوں نے اپنی جائیدادیں فروخت کرنے سے انکار کیا اُنہیں برطانوی حکومت کے تعاون سے زبردستی بے دخل کر دیا گیا۔ جعلی دستاویزات کے ذریعے ثابت کیا گیا کہ فلاں جائیداد دو ہزار سال قبل ہمارے فلاں بزرگ کے نام تھی جس پر آج کوئی فلسطینی قابض ہے۔ برطانوی حکومت نے اِس طرح کے دعوے قبول کیے اور یوں یہودی فلسطین میں آباد ہوتے چلے گئے۔ یہ دھاندلی مسلسل جاری رہی۔ یہودیوں کو باہر سے لا کر فلسطین میں آباد کیا جاتا رہا جبکہ اُنہیں اٹھارہ سو برس قبل یہاں سے نکال دیا گیا تھا۔

بالآخر برطانیہ اور امریکہ کی ملی بھگت سے ۱۹۴۸ء میں فلسطین کے ۵۶ فیصد علاقے پر قبضہ کر کے ایک یہودی ریاست اسرائیل کے نام سے قائم کر دی گئی۔ یہودیوں کو جب برطانیہ کے زیرِ سرپرستی فلسطین میں ناجائز طور پر آباد کیا جا رہا تھا تو اس پر اقبال نے کہا تھا:ؔ

ہے خاکِ فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا؟

اسرائیل کے اِس طرح قیام کو کوئی بھی باضمیر انسان نہ جائز قرار دے گا اور نہ ہی تسلیم کرے گا۔ بانیٔ پاکستان محمد علی جناح نے اسرائیل کو مغربی دنیا کا ناجائز بچہ قرار دیا۔ ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جب کہ ابھی قیامِ اسرائیل کے منصوبہ کو پیش کیا جا رہا تھا' بانیٔ پاکستان نے رائٹر نیوز ایجنسی کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا:

''فلسطین کے بارے میں ہمارے موقف کی وضاحت اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کے سربراہ چودھری ظفر اللہ خان نے کر دی ہے۔ مجھے اب بھی یہ امید ہے کہ تقسیم (فلسطین) کا منصوبہ مسترد کر دیا جائے گا' ورنہ ایک خوفناک چپقلش کا شروع ہونا ناگزیر اور لازمی امر ہے۔ یہ چپقلش صرف عربوں اور منصوبۂ تقسیم نافذ کرنے والوں کے درمیان نہ ہوگی بلکہ پوری اسلامی دنیا اِس فیصلہ کے خلاف عملی بغاوت کرے گی کیوں کہ ایسے فیصلے (اسرائیل کے قیام) کی حمایت نہ تاریخی اعتبار سے کی جا سکتی ہے اور نہ ہی سیاسی اور اخلاقی طور پر۔ ایسے حالات میں پاکستان کے پاس اِس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا کہ عربوں کی مکمل اور غیر مشروط حمایت کرے اور خواہ مخواہ کے اشتعال اور دست درازیوں کو روکنے کے لیے جو کچھ اُس کے بس میں ہے' پورے جوش و خروش اور طاقت سے بروئے کار لائے۔''

یہود کے خالصتاً مذہبی عناصر بھی اسرائیل کے اِس طرح سے قیام کو جائز نہیں سمجھتے۔ معروف یہودی اسکالر ڈاکٹر ایلمر بلجر نے اپنے مقالے ''کیا اسرائیل بائبل کی پیشین گوئیوں کی تکمیل ہے؟'' میں لکھا ہے:

''یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ کوئی پکا مذہبی یہودی یہ نہیں مانتا کہ موجودہ اسرائیلی ریاست اُس طریقۂ عمل سے وجود میں آئی ہے جو بائبل کے احکامات سے ذرہ بھر بھی مطابقت رکھتا ہو۔''

جون ۱۹۶۷ء میں جنگ کے دوران اسرائیل نے بیت المقدس سمیت فلسطین کے مزید

بائیس فیصد علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ بیت المقدس پر اُن کے قبضہ کو چالیس برس ہونے کو آ رہے ہیں۔ یہودیوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے اور اب وہ چاہتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے تیسری بار اپنا ہیکل تعمیر کر لیں۔ اِسی لیے اب مسجد اقصیٰ کے گرد زور شور سے کھدائی کا عمل شروع کر دیا گیا ہے۔ عیسائی اِس معاملہ میں یہودیوں کی پوری طرح سے پشت پناہی اِس لیے کر رہے ہیں کہ اُنہیں مسلسل پروپیگنڈے کے ذریعے یہ بات سمجھا دی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد سے قبل بیت المقدس میں ایک اسرائیلی ریاست کا قیام ضروری ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے اِس حوالے سے مل کر یہ منصوبہ بندی کی تھی کہ ۲۰۰۷ء میں مسجد اقصیٰ کو شہید کرنے سے قبل اُن تمام مسلمان ملکوں کے خلاف فیصلہ کن کارروائی کی جائے جن سے اِس ناپاک یہودی منصوبہ کو کوئی خطرہ ہے۔ لہٰذا ۲۰۰۱ء میں پاکستان اور افغانستان کو تباہ کرنے کا منصوبہ تھا۔ پاکستان تو ایک یوٹرن لے کر فوری تباہی سے بچ گیا لیکن افغانستان میں اسلامی حکومت کو تہس نہس کر دیا گیا۔ ۲۰۰۳ء میں عراق پر حملہ کر کے اُس کا بھرکس نکال دیا گیا۔ ۲۰۰۵ء میں ایران کے خلاف اقدام کا منصوبہ تھا لیکن عراق و افغانستان میں غیر معمولی مزاحمت نے اِس منصوبہ کو ناکام بنا دیا۔ بہرحال اب بھی یہودی لابی امریکہ کی قیادت پر دباؤ ڈال رہی ہے کہ ایران کے خلاف اقدام کر دیا جائے۔

اِس پورے معاملہ میں پاکستان اور افغانستان کی' جو عرب کے مشرق میں واقع ہیں' خصوصی اہمیت ہے۔ حدیث مبارکہ ہے:

((يَخْرُجُ نَاسٌ مِنَ الْمَشْرِقِ فَيُوَطِّئُوْنَ لِلْمَهْدِيِّ يَعْنِيْ سُلْطَانَهُ)) (ابنِ ماجہ)

''مشرق سے فوجیں نکلیں گی جو مہدی کی حکومت قائم کرنے کے لیے منزل پر منزل مارتی چلی آئیں گی۔''

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرق کے کسی علاقے میں پہلے ہی اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہوگی۔ ایک اور حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ علاقہ خراسان کا ہوگا۔ سنن الترمذی کی روایت ہے:

((تَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَاْيَاتٌ سُوْدٌ لَا يَرُدُّهَا شَيْءٌ حَتّٰى تُنْصَبَ بِاِيْلِيَاءَ))

''خراسان کی جانب سے علم نکلیں گے' ان کو کوئی روک نہ سکے گا' حتیٰ کہ وہ ایلیاء میں جا کر نصب نہ ہو جائیں گے۔''

''ایلیاء'' بیت المقدس کا دوسرا نام ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ''خراسان''

اُس علاقے کا نام تھا جس میں اب پاکستان کے شمالی علاقہ جات اور افغانستان کا بڑا حصہ شامل ہے۔ گویا یہی علاقہ ہے جہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی۔ اِس خطہ میں طالبان کی اسلامی حکومت کا قائم ہونا‘ دیگر جہادی سرگرمیاں اور پھر پاکستان کا ایٹمی قوت بن جانا اسرائیل کے لیے باعث تشویش ہے۔ ۱۹۶۷ء میں اسرائیل کے وزیر اعظم بن گوریان نے پیرس میں کہا تھا کہ ہمیں عرب ممالک سے نہیں‘ صرف پاکستان سے خطرہ ہے۔ ہمارے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو امریکہ میں پیشکش کی گئی تھی کہ اگر پاکستان اسرائیل کو تسلیم کر لے تو اسے ناقابلِ تصور مالی امداد دی جائے گی۔ اُنہوں نے اِس کے جواب میں کہا تھا: ’’Our souls are not for sale‘‘۔ اس کے بعد بھی جب جنرل پرویز مشرف نے اسرائیل کو تسلیم کرنے کی بات کی تو بھارت میں اسرائیل کے سفیر نے کہا کہ اگر پاکستان نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا تو ہم اس کے لیے وہ کچھ کریں گے جس کا تصور بھی ممکن نہیں۔

آج جب کہ مسجد اقصیٰ کی شہادت کے لیے کارروائی کا آغاز کر دیا گیا ہے‘ ہمیں غیرتِ دینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی حکومت کو اسرائیل کے اس ناپاک عزم کے خلاف فیصلہ کن موقف اختیار کرنے پر مجبور کرنا چاہیے۔ بعض دانشور یہ گمراہی پھیلا رہے ہیں کہ مسجد اقصیٰ کی مسلمانوں کے لیے کوئی خاص اہمیت نہیں۔ لیکن مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ اِس گمراہ کن تصور کی نفی کے لیے کافی ہیں:

((وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ :مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ هٰذَا)) (صحیح البخاری)

’’تین مساجد کے علاوہ کسی جگہ کا (ثواب کی نیت سے) قصد کر کے سفر کرنا جائز نہیں ہے: مسجدِ حرام‘ مسجدِ اقصیٰ اور میری اس مسجد (یعنی مسجد نبویؐ) کا۔‘‘

((مَنْ اَهَلَّ بِحَجَّةٍ اَوْ عُمْرَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی اِلَی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ، اَوْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ)) شَكَّ عَبْدُاللّٰهِ (ابو داؤد)

’’جس نے بھی مسجد اقصیٰ سے مسجد حرام کے لیے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھا اُس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے‘ یا اُس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔‘‘ عبداللہ (راوی) کو شک گزرا کہ آپ ﷺ نے اِن دونوں میں سے کون سے

الفاظ بیان فرمائے ہیں۔

((مَنْ صَلّٰی فِی الْمَسَاجِدِ الْاَرْبَعَةِ غُفِرَ لَهٗ ذَنْبُهٗ)) (سنن النسائی)

’’جس نے چار مساجد میں نماز پڑھی اُس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔‘‘

امام السندی نے اِس حدیث کی وضاحت میں تحریر کیا ہے: فی المساجد الأربعة لعل المراد بها مسجد مكة والمدينة ومسجد قباء والمسجد الأقصى۔ یعنی ’’المساجد الاربعة‘‘ سے یہاں مراد ہے: مکہ اور مدینہ کی مساجد‘ مسجدِ قبا اور مسجدِ اقصیٰ۔

((صَلَاةُ الرَّجُلِ فِیْ بَیْتِهٖ بِصَلَاةٍ، وَصَلَاتُهٗ فِیْ مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِیْنَ صَلَاةً، وَصَلَاتُهٗ فِی الْمَسْجِدِ الَّذِیْ یُجَمَّعُ فِیْهِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلَاةٍ، وَصَلَاتُهٗ فِی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ صَلَاةٍ، وَصَلَاتُهٗ فِیْ مَسْجِدِیْ بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ صَلَاةٍ، وَصَلَاتُهٗ فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ اَلْفِ صَلَاةٍ)) (سنن النسائی)

’’ایک شخص کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز کے اجر کے برابر ہے‘ اور اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا پچیس نمازوں کے اجر کے برابر ہے‘ اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کے اجر کے برابر ہے‘ اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے اجر کے برابر ہے‘ اور مسجدِ نبویؐ میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے اجر کے برابر ہے‘ اور مسجدِ حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے اجر کے برابر ہے۔‘‘

آج کیفیت یہ ہے کہ: ؎

مسجدِ اقصیٰ روتی ہے　اُمّتِ مُسلمہ سوتی ہے

کاش ہمارا کوئی حکمران پھر سے صلاح الدین ایوبیؒ کی صورت اختیار کر کے میدان میں آئے اور مسجدِ اقصیٰ کی حفاظت کی خدمت بجالا کر عظیم سعادتوں سے سرفراز ہو جائے۔ آمین!

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
’’بیان القرآن‘‘ کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں‘
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

Mar. 2024
Vol.73

Regd. CPL No.115
No.3

Monthly **Meesaq** Lahore

داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیان القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

اب دو انداز سے دستیاب ہے

● خوبصورت ٹائٹل ● سفید کاغذ ● معیاری طباعت

1 2935 صفحات پر مشتمل، سات جلدوں میں

(الگ الگ جلدیں بھی دستیاب ہیں!)

مکمل سیٹ کی قیمت: 6000 روپے

2 متعدد اضافی خوبیوں کا حامل، طبع جدید

○ قرآنی رسم الخط ○ تفسیری سائز ○ عمدہ سفید کاغذ ○ مضبوط مراکو جلد

2560 صفحات پر مشتمل، چار جلدوں میں

مکمل سیٹ کی قیمت: 9600 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36-K، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)